

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224749

UNIVERSAL
LIBRARY

وَلَا تُؤْمِنُ أَقْصَابُهُ وَلَا بَرٌّ لَهُ وَلَا جِئَانٌ بِهِ وَلَا عِلْمٌ لَّهُ الْآخِرُ

OSBORNIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY.

عَفَّتِ الْمُسْلِمَاتُ

مؤلفہ

علیہ حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ تاج ہند

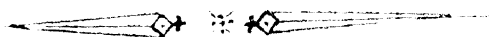
جی ہاں، ایس مائی جی ہسی آئی، اے جی ہاں، ای فرماؤ گئے بھویال

ادامها اللہ بالعز والاقبال

۱۹۱۸ء مطابق ۱۳۳۷ھ

مُعَلِّمِ اسْمِ بَرِّكَهٖ مُحَمَّدٌ عَلِيٌّ اَبُو مُحَمَّدٍ اَبُو هَاشِمٍ

وَفِي بُيُوتِكُمْ لَا تَبَرَّجْنَ لِلْعَالَمِينَ الْأَقْلَامِ



عِفَّتُ الْمُسْلِمَاتِ

مؤلفہ

علیہ حضرت جناب نواب سلطان جہان سلیم صاحبہ تاج ہند

جی ہسی، ایس، مائی جی ہسی مائی، ای، وہی مائی، ای، ہفر مانرواے بھوپال

ادامہ اللہ بالعز والاقبال

۱۹۱۸ء مطابق ۱۳۳۷ھ

مُعَلِّدِ اسْمِ بَیْرُکِہٖ مُحَمَّدِ عَلَیْہِ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ
مَقِلِدِ اسْمِ بَیْرُکِہٖ مُحَمَّدِ عَلَیْہِ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۳	(الف) علمی مشاغل	۱	زیبا چہ
	(ب) مشکلات اور	۳	مقدمہ
۱۰۵	مصائب کا مقابلہ	۴۱	پردہ اور شریعت
۱۰۷	(ج) عذرات شرعی ..	۷	(۱) پردہ اور قرآن
۱۱۰	بے پردگی کے نتائج	۴۹	(۲) حدیث اور پردہ
		۵۴	(۳) آثار صحابہ
۱۱۴	(الف) تاریخی شہادت	۵۷	(۴) فقہاء اور علمائے رئیس ..
۱۱۹	(ب) حقائق حاضرہ ..	۷	(الف) شاہ ولی اللہ صاحب
۱۲۰	(۱) سوشل حالت	۵۸	(ب) مولانا بھگت سنگھ
۱۲۲	(۲) معاشرتی انقلاب	۶۴	(ج) مولانا شبلی
۱۲۴	(۳) جدید تہذیب کا اثر	۸۴	(د) مولانا ذریعہ احمد
	(۴) عورتوں کی محسوسات		عفت و حیا ہماری
۱۲۵	زندگی	۹۳	نیکوئی کی بنیاد ہے
	(۵) مذکورہ بالا خرابیوں کا		عورت کی خانگی اور
۱۵۱	علاج	۹۸	بیرونی معاشرت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۹	(۱) پردہ کا تعلق فارغ البالی سے	۱۵۳	دنیا ے اسلام میں بے پردگی ...
۱۸۳	(۲) پردہ کا تعلق صحت سے		(۱) مصر کی حالت ...
۱۸۸	(۳) پردہ اور تعلیم	۱۵۸	(۲) ترکی خواتین
۱۹۳	(۴) عورت اور حب الوطنی		مشرق اور مغرب
	(۵) عورت کی پوزیشن		کے گھر
۱۹۸	پردہ میں	۱۶۱	مخالفین پردہ کے
۲۰۱	(۶) نتائج مابعد شادی ..		دلائل وراونگی تردید
۲۰۵	خاتمہ		
	یہ سب		





یہ کتاب جس میں پردہ کے مضمون پر ہر پہلو سے بحث کی گئی ہے صرف اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ یہ مسئلہ آجکل خواتینِ اسلامی کے لئے ایک اہم سوال بن گیا ہے اور انکی آئینہ اخلاقی ترقی کا اس پر دار ہے، ضرورت ہے کہ اس موضوع پر ایک مفصل بحث کی جائے تاکہ ہماری ہم مذہب بہنیں اس پر غور کریں۔ اور سمجھیں کہ بحیثیت ایک مسلمان اور پابندِ تہذیب و اخلاقِ اسلامی ہونے کے ان کے لئے کیا بہتر ہے؟

میں نے اس کتاب میں اپنی ذاتی رائے کو بہت ہی کم دخل دیا ہے احکام مذہب یعنی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو درج کرنے کے بعد ان کے متعلق مشاہیرِ علمائے جو رائیں ہیں وہ نقل کر دی ہیں۔ ان میں قدیم علما کے طبقہ میں شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا بھکر العلوم بڑے فقیہ اور محدث ہیں۔

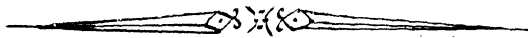
روشن خیال اور جدید طبقہ میں مولانا شبلی اور مولانا نذیر احمد نہایت ممتاز اور مستند

ہیں، اور جدید تعلیم یافتہ گروہ میں ان کا تبحر علمی مشہور ہے۔

سناج بے پردگی کے بیان میں جن ممالک میں پردہ نہیں ہے اور عورت ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے وہاں کے فاضلوں، ڈاکٹروں، فلاسفوں اور مصلحین ملک و ملت کی رائیں درج کی ہیں۔

میں یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ ہماری قوم کا ایک گروہ نہایت غضب ناک نظروں سے اس کتاب کو دیکھے گا، لیکن مجھے اُمید ہے کہ میری وہ ہم مذہب بنیں اور بیاباں جن میں ہنوز اسلامی عصبیت و غیرت موجود ہے اور جو احکام مذہب کا احترام کرتی ہیں غجور و شوق کے ساتھ مطالعہ کریں گی، اور اپنی ایک ایسی ہمدرد کی جس کے دل میں ان کی دینی و دنیوی فلاح کے سوا اور کوئی خیال نہیں ہے، نصیحت کو دل سے سنیں گی اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گی۔

سلطان جہاں نگیم



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

قریباً تیس چالیس سال سے دُنیا کے اسلام میں جو مسائل زیر بحث ہیں ان میں پردہ کا مسئلہ بھی ایک معرکہ الآرا مسئلہ ہے اور یہ مسئلہ اُن ممالک میں زیادہ تر زیر بحث ہے جو مغربی تہذیب و تعلیم اور تمدن و معاشرت سے بہت زیادہ اثر پذیر ہیں۔

ایسے ممالک میں ترکی، مصر اور ہندوستان خاص طور پر قابل الذکر ہیں۔ جہاں اس دورِ جدید میں علوم جدیدہ کی تعلیم اور اصلاحِ تمدن و معاشرت کی تحریکوں کے ساتھ تعلیمِ نسواں پر بھی توجہ ہوئی اور اُن کی تعلیم و حقوق اور اصلاحِ معاشرت و تمدن کے مسائل میں پردہ کا مسئلہ بھی بحث طلب بن گیا اور اس بحث میں تین فریق پیدا ہو گئے۔

(۱) جو قطعی طور پر پردہ کا مخالف ہے۔

(۲) احکامِ مذہب کی توجہات و تاویلات سے کام لے کر وجہ پردہ میں نرمی اور ترمیم چاہتا ہے۔

(۳) بدستور وجہ پردہ کو قائم رکھنے کا خواہشمند ہے اور اس میں کسی ترمیم کو قومی عزت

و ناموس کے لئے خطرناک سمجھتا ہے اور اُس کو سراسر احکام مذہب کا مخالف قرار دیتا ہے۔

ان تینوں گروہ میں سخت اختلاف قائم ہے جس کا اظہار اخبارات و رسائل اور تصنیفات و تالیفات میں ہوتا رہتا ہے اور ہر فریق دوسرے فریق کو شکست دینے اور اُس کو اپنے خیالات کے تابع کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ حالت ایک عرصہ سے عالم اسلامی میں قائم ہے۔

ہندوستان میں بھی یہی صورت پیش ہے اور ان مختلف خیالات کا اثر گھروں کی چار دیواری کے اندر خواتین اسلام میں بھی پھیل چکا ہے بعض گھرانوں اور خاندانوں میں بے پردگی کا میلان پیدا ہو گیا ہے اکثر پڑھی لکھی مسلمان عورتیں پردہ کو ایک قید سمجھنے لگی ہیں اور جو خونیں سمجھتیں تو اُن کے آزادی پسند شوہر اپنے شوہری اثر سے سمجھا رہے ہیں جن طبقوں میں ان خیالات کا اثر ہو چکا ہے وہاں اگرچہ یہ بلا عام نہیں ہوئی ہے لیکن خاص خاص گھرانوں میں پائی جاتی ہے اور محض فیشن اور اظہار نمود و نمائش کے لئے بے پردگی اختیار کی گئی ہے کاش وہ اس بے پردگی سے مثل مغربی خواتین کے قوم کی مادی بھلائی کے لئے ہی کچھ کام کر تیں۔ مدرسے جاری کر تیں، اُن میں معلمہ ہوتیں، ڈاکٹری پڑھتیں اور اپنی بہنوں کو فائدہ پہنچاتیں۔ غرض کوئی نہ کوئی کام کر تیں تو اس بُرائی میں کچھ تو بھلائی کا پہلو ہوتا، لیکن آج ایک مثال بھی ایسی نہیں۔

بہر حال میں اس تبدیلی کو نہایت تشویش اور فکر سے دیکھ رہی ہوں اور اس کو تباہی

قومیت و مذہب کا پیش خمیہ سمجھتی ہوں۔ اور میرا یہ سمجھنا صرف بطور عقیدہ کے نہیں ہے جو میرے دل میں راسخ ہے، بلکہ میں نے غور و مطالعہ، سیاحت و سفر اور قوموں کے حالات کے معائنہ سے اس نتیجہ کو حاصل کیا ہے۔

میری عمر کا بہت بڑا حصہ اپنے صنفی مسائل پر غور کرنے میں گزرا ہے اور ان مسائل میں پردہ اور تعلیم سب سے زیادہ دلچسپ مسئلے رہے ہیں۔ تعلیم کے متعلق میں نے بارہا اور متعدد موقعوں پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور بقدر امکان عورتوں میں اس کی اشاعت کی کوشش بھی کی ہے لیکن پردہ کے متعلق مجھے بہت کم اظہار خیال کا اتفاق ہوا ہے البتہ ۱۹۱۱ء میں جب میں یورپ کے سفر سے واپس آئی تھی تو لیڈیز کلب میں حالات سفر پر ایک تقریر کی تھی اور اس میں جہاں میں نے یورپ کے تمدن و معاشرت کی غویہوں اور عورتوں کی قابلیت کا تذکرہ کیا تھا وہاں یہ بھی کہا تھا کہ ”میں اس تعلیم کے ساتھ اس آزادی کو پسند نہیں کرتی جو اعتدال سے

متجاوز ہو چکی ہے اور ہمارے یہاں کی پردہ نشین ناخاندہ بلکہ خاندہ عورتوں کو کبھی اس کا خیال بھی نہیں گذر سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ آزادی جو سرزمین یورپ میں ہے وہاں کے مناسب ہو یا یہ آزادی مذہب عیسوی کی تلقین و ہدایت کے مطابق ہو مگر ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے کسی طرح اور کسی زمانہ میں میرے خیال میں موزوں نہ ہوگی اور نہ خدا تعالیٰ کے احکام کبھی غیر مفید ہو سکتے ہیں۔ پس ہم کو اس منقولہ پر عمل کرنا چاہیے۔ ”مُحَذِّمًا صَفَا

وَدَّحَ مَا لَكَدَّ” اچھی چیزوں کو لو اور بُری چیزوں کو چھوڑ دو مسلمان عورتوں کو کبھی اُس آزادی سے زیادہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے جو مذہب اسلام نے اُن کو عطا کی ہے اور وہ آزادی ایسی آزادی ہے جو عورت کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے اور تمام خرابیوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔

مگر اسی وقت سے میرا مصمم ارادہ تھا کہ میں پرودہ کے متعلق ایک مستقل کتاب لکھوں۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے مواد جمع کرنا شروع کیا اور یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ نہ صرف علما نے کلام کی کتابیں دیکھیں بلکہ ان مغربی مصنفین کی تصانیف کا بھی مطالعہ کروں جنہوں نے اپنے ملک کی آزادی پر غور کر کے نتائج اخذ کئے ہیں اور اُن کو اہل ملک کی توجہ کے لئے شائع کیا ہے۔

میری بار بار اُن مشنری خواتین سے ملاقات ہوئی ہے جو اپنا مقصد پر زندگی مذہب کی خدمت قرار دیتی ہیں اور اپنی پاکدامنی میں معروف ہیں، ان کی حالت پر ظاہری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بعض باتوں میں مسلمان محسنات سے کس قدر قریب ہیں لباس میں اپنے ستر کو کس درجہ ملحوظ رکھتی ہیں، پھر اس میں زیب و زینت نہیں ہوتی، بناؤ سنگار کے نزدیک نہیں پھٹکتیں اور تبرج سے دور رہتی ہیں۔ خصوصاً رومن کیتھولک عورتیں جو کانونٹ یا گرجا میں رہتی ہیں، اس امر پر مجبور ہیں کہ وہ مردوں سے زیادہ نہ ملیں اور وہ شادیاں بھی نہیں کر سکتیں، اگرچہ یہ آخری حالت مذہبی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے نزدیک اسی طرح ناپسندیدہ ہے جس طرح کہ آزادانہ میل جول ہے تاہم

اس سے یہ پتہ لگتا ہے کہ مسیحی مذہب کے احکام و روایات بھی تشریح اور اظہار
 زیب و زینت اور مردوں اور عورتوں کی آزادانہ یکجائی کو روکتے ہیں، اُس آزادی
 سے جو یورپ میں پھیلی ہوئی ہے اُس سے مذہبی گروہ علیحدہ رہتا ہے، مجھے اکثر ایسے
 غیر یورپین شرفاء سے گفتگو کا بھی موقع ملا جو اپنی سوسائٹی کی آزادی سے نالاں ہیں
 اور خدا سے چاہتے ہیں کہ ان میں بھی پردہ رائج ہو۔ بہر حال میں نے ایسی کتابوں
 اور مضامین کو جمع کیا اور انھیں دیکھا ان کتابوں کے اکثر مضامین میں تو ایسی منھاگوئی
 سے کام لیا گیا ہے اور اس طرح سوسائٹی کی آزادی کے نقصانات ظاہر کئے گئے ہیں
 کہ ایک ایسی عورت کے لئے جس میں طبعا اسلامی شرم و حیا کمزور ہو ان کا غور کے ساتھ
 دیکھنا اور اپنی تحریر میں لانا کسی طرح نہ روا ہو سکتا ہے اور نہ ممکن ہے مگر چونکہ خیر کثیر کے لئے
 شرفیل کو گوارا کر لینا اصول انسانیت میں داخل ہے اور میں نے اس کو اپنا فرض
 سمجھا کہ میں اپنی قومی ہمنوں کے لئے جو اپنی محبت سے مجھے بطور ایک مثال عزیز
 کے پیش کرتی ہیں۔ ایک ایسی تالیف چھوڑ جاؤں کہ جب وہ آزادی کا خیال کریں
 تو اس کو بھی دیکھ لیں اور ممکن ہے کہ اس سے ان کو کچھ عبرت اور بصیرت حاصل ہو
 اس لئے میں نے اپنے دفتر کے مترجمین کو حکم دیا کہ میرے سامنے صرف وہ مضامین
 پیش کئے جائیں جو نسبتاً نرم ہوں اور ان کو غور کے ساتھ دیکھا جاسکے بالینہ وہ سب
 مضامین بھی اقتباس کے قابل نہ تھے مگر مشتے نمونہ از خروارے ان میں سے جہاں
 مناسب سمجھا اقتباس کر لیا۔

عربی کتابوں میں زمانہ حال کے علما و مصنفین نے بہت اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں جن میں آزادانہ واقعات اور چرچہ و رپورٹ پر اظہار رائے سے کام لیا ہے۔ ان سے بھی میں نے مناسب موقع پر استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب میں تمدنِ ممالک کے جو واقعات درج کئے گئے ہیں ان سے کسی ملک کی تحقیر و ابانت یا ان اعلیٰ اوصاف کا انکار جو تمدنِ مغرب کی برتری اور فخر کا باعث ہیں یا کسی تہذیب و تمدن پر کوئی طنز و تہنیت نہیں ہے بلکہ اسلامی احکام پر وہ کی عظمت و وقعت کے لئے بالمقابل بے پردگی اور عورتوں کی آزادانہ سوسائٹی کے نتائج کا بیان کرنا مقصود ہے۔

بایں ہمہ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ پردہ میں وہ بُرائیاں بالکل معدوم ہیں جو بے پردگی اور آزاد سوسائٹی کے نتائج ہیں مگر یہاں قلت و کثرت اور معمولی و غیر معمولی سے بحث ہے۔ بے پردگی میں بُرائی کے مواقع زیادہ حاصل ہو سکتے ہیں اور پردہ میں بہت کم اور اس حالت کو ڈاکٹر لیبان بھی تسلیم کرتا ہے کہ دو مشرقی ممالک میں غیر معمولی اور مغرب میں معمولی ہے۔“

انسان چوروں کے خوف سے اپنی قیمتی چیزوں کو تہ خانوں اور کونپڑیوں میں بند کر کے رکھتا ہے لیکن وہاں بھی سرقت و نقب کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ چیزوں کو غیر محفوظ طور پر رکھا جائے اور اسبابِ حفاظت ترک کر دیے جائیں۔

یہ توصف ظاہر ہے کہ پردہ کا حکم

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوْجِكَ مَا
وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ
يُذْنِبْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَاءِ بَيْتِهِنَّ
ذَلِكَ أَذْنَىٰ أَوْ يَخْتَرُونَ
وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

اسے پیغمبر اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں اور
مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی
چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں اس سے
غالباً یہ الگ پہچان پڑیگی کہ نیک سخت میں
اور کوئی چھپڑیگا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اس بنا پر نازل ہوا ہے کہ مردوں نے عورتوں کو اذیت بھونچائی اور شرارتیں کیں
یہ حالت ابھی تک قائم ہے اور جب تک دنیا میں ان دونوں جنسوں کا وجود ہے
قائم رہے گی۔ کہا جاتا ہے کہ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ عورتوں کو کوئی ایذا ملے لیکن ان کی
مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ مکرو فریب اور ترغیبات کے ذریعے بھی ایذا پہونچائی
جاتی ہے اور اس ایذا سے بڑھ کر کون ایسی ایذا ہوگی کہ ایک عورت کی تمام زندگی
خراب کر دی جائے۔

اول الذکر ایذا سے جس کا تعلق زبردستی سے ہے قانون حکومت ردک
سکتا ہے لیکن اس آخر الذکر ایذا سے صرف قانون اخلاق اور نسو سائنس کے قواعد ہی محفوظ
رکھ سکتے ہیں مگر جب ان قوانین و قواعد میں کوئی دفعہ ایسی نہ ہو جو آخر ہی ایذا سے بچائے
تو مجز پردہ کے اور کون ذریعہ ہے اور پردہ بھی وہ جو کمال کے ساتھ ہو جیسا کہ ائمہ المؤمنین
کرتی تھیں اور ائمہ المؤمنین کے اخلاق اور ان کی سیرت اول کی تہمیدیں کے

لے ایک سنت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عہد رسالت کے بعد احکام میں تشدد اور سختی زیادہ ہو گئی لیکن اس تشدد و سختی سے عورتوں کی توقیر گھٹانی مد نظر نہ تھی۔ بلکہ جب اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ مختلف تہذیب اور خیالات و عقائد کی اقوام سے میل جول بڑھنا شروع ہوا، دولت و ثروت اور تہذیب و تمدن نے ترقی کی اور فتنہ و فساد کا احتمال ہو گیا تو انہوں نے اتفاق کی صورت اختیار کی اور معاشرت و تمدنی فتنہ و فساد کے امکان کا اندازہ کر دیا۔

اسلام و انسانیت میں اتفاق بھی ایک چیز ہے، اتفاق کا مفہوم ہر ایسی چیز اور ایسے فعل سے اجتناب ہے جس میں کوئی ظاہری و باطنی ضرر ہو۔ جب سوسائٹی کی یہ حالت ہو جائے کہ ہر قسم کا لہو و لعب اس میں موجود ہو حرام و حلال کا فرق اٹھ رہا ہو، اوامر و نواہی کا امتیاز نظر انداز کیا جا رہا ہو، رقص و سرود اور کھلی ہوئی نفسیہ گچ گاہوں میں مرد و عورت شریک ہوں، تھیلڈر اور سینا میڈیو گراف میں جہاں جیسا سوزنظارے دکھائے جاتے ہیں۔ عورتیں، مرد، لڑکے، لڑکیاں، دوش بدوش، پہلو بہ پہلو بیٹھیں فیشن اور معاشرت کی ضرورتیں روز افزوں ہوں، ترغیبات کا دائرہ یوٹائیو ماڈسٹ پذیر ہو اور پھر قانون حکومت اتنا نرم ہو کہ اس جرم کے ارتکاب میں جس کی منہ از اسلام میں غیر شادی شدہ کے لئے سوئٹے اور شادی شدہ کے لئے سنگساری ہو صرف دوسری صورت میں بشرطیکہ شوہر استغاثہ کرے زیادہ سے زیادہ دو سال تک قید کی سزا دی

جائے اور اگر کسی شادی شدہ عورت کے مقابلہ میں اعادہ حقوق زنا شونی کا دعویٰ ہو تو اس کے فیصلہ میں آخری عدالت سے یہ نظیر قائم کی جائے کہ

”اس تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں کسی عورت کو اس کی مرضی کے خلاف شوہر کے پاس رہنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔“

تو وہاں ایسی قوم کی عورتوں کا کیا حال ہو گا جس کے مذہب میں عصمت و غیرت کا مفہوم اپنی انتہائی درجہ پر ہو۔ اور جہاں مردوں سے فطرطانا، ایک مرد اور عورت کا تخلیق میں گفتگو کرنا زینت دکھانا ممنوع ہو اور بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عورت کی حیات ستر ہو کیا یہ ممکن ہے کہ پردہ ترک کرنے والیاں ”لائبڈین زینتھن“ کی حامل رہ سکیں۔ اور وہ جب کسی ضرورت یا ہوا خوری اور سیرو تفریح کو جائیں تو بناؤ سنگار کر کے نہ جائیں۔ اور مرد کیونکر مجبور ہو سکتے ہیں کہ ان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ یہاں یہ مسئلہ بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ مجرد قوانین تعزیری خواہ وہ کیسے ہی سخت ہوں محافظ عصمت نہیں ہو سکتے۔

روم میں بھی ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ ایسے جرائم کی سزا اتنی سخت تھی کہ عورت اور مرد کو ایک ساتھ باندھ کر جلاویا جاتا تھا لیکن وہ ہی زمانہ انتہائی بے عصمتی کا تھا، تو رات میں اس بد اخلاقی کے لئے سنگساری کی سزا مقرر تھی جس کو مذہب عیسوی نے قائم رکھا اور وہ منسوخ نہیں ہوئی لیکن پھر بھی ارتکاب جرم کا اندازہ صرف اس واقعہ سے

۱۱۔ تمام اخبارات میں الہ آباد ایکورٹ کے جج سر جارج ناکس کے اس فیصلہ کا شہرہ ہے۔

کر لینا کافی ہو گا کہ جب مریم میگڈلینی بدکاری کے جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عیسیٰ کے سامنے پیش ہوئی تو آپ کو اُس پر رحم آگیا۔ مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کہ
 ”تم میں جو پاکدامن ہو اور جس نے ایسی بُرائی کا ارتکاب نہ کیا ہو وہ سزا دینے کے لئے آگے بڑھے۔“

لیکن ایک تنفس بھی آگے نہ آیا موجودہ زمانہ میں بھی کنیڈا میں ایسے جرم میں سزا تازیانہ اور پانچ سال قید سخت اور بعض صورتوں میں حبس دوام تک ہے مگر چوں کہ آزادی مطلق بھی ہے اس لئے نشانے سزا میں ناکامی ہے اسلام چونکہ اکمل الاویان ہے۔ ایک طرف اس نے شریعت موسوی کی سزا کو برقرار رکھا، دوسری طرف ایسی بد اخلاقی کی تحریکات کا بھی سدِ باب کر دیا اور یقیناً اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ پس اگر عورتوں اور مردوں میں خلا ملانہ ہو سکے، دونوں کے مقامات تفریح علیحدہ ہوں، ان کو تھیلیٹروں اور تماشوں میں جانے کی اجازت نہ ہو، وہ کسی طرح اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کر سکیں، اور کسی طرح مردوں کو انھیں ایذا دینے کا موقع نہ مل سکے اور قوانین تعزیری میں بدکاری کو سنگین جرم سمجھا جائے اور قتلِ عمد کی طرح اس کی سزا موت ہو تو بلاشبہ ان کو صرف جلا سب کے پردے پر قناعت کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے لیکن جب ایسی صورت ممکن نہ ہو تو مختصران فی بیوتکن، ”پرہیزِ خواتین کو مسائل ہونا چاہئے۔“

یہاں ایک ہندو قابلِ خاتون چاند رانی کے یہ الفاظ غور کرنے کے قابل

ہیں کہ۔

”بہت بھائی پردہ سسٹم کو بڑا سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ پردہ کا رواج نہ رہے۔ مگر پردہ سسٹم کا ہونا اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ پرش اپنے من کو شہ نہ کر لیں“

کیا یہ ممکن ہے کہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ انسان کے دل اتنے صفات ہو جائیں گے۔ مگر کبھی وہ زمانہ نہیں آ سکتا جب تک کہ انسان میں تمام تر صفات ملکوئی نہ پیدا ہو جائیں۔ اور ان صفات کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ ہاروت، ماروت کا مشہور قصہ شہادت دیتا ہے کہ فرشتے بھی اس دنیاوی زندگی میں اپنے صفات کو زائل کر لیتے ہیں۔

در اصل پردہ کا تعلق اُس غیرت سے ہے جو ننگ و ناموس کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور غیرت ایک ایسی شریف صفت ہے جس سے انسان خاص طور پر ممتاز کیا گیا ہے۔ اور خصوصاً مردوں کے لئے تو جو ہر مردانگی ہے۔ اس صفت کا کچھ حصہ بعض جانوروں کو بھی دیا گیا ہے اور یہ جانور اپنی غیرت کے لئے مشہور ہیں اور کبھی گوارا نہیں کرتے کہ وہ اپنے جوڑے سے علیحدہ رہیں یا ان کے حدود میں دوسرا ہم جنس رہ سکے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس کی غیرت بھی انتہائی درجہ پر ہونی چاہیئے اسلام نے اگر عورتوں کو گھر میں بیٹھنے اور تمدنی زندگی سے بچنے کا حکم دیا ہے تو ان کے

حقوق ایسے اعلیٰ رکھے ہیں جو باوجود تہذیب و تمدن کے انتہائی کمال کے ابھی تک
 متہذبن ممالک کی عورتوں کو بھی حاصل نہیں، اور آج مصلحانِ ملک اُن کو رشک کی
 نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مغربی خواتین بڑے بڑے کیشنوں کی سفارشوں اور اپنی سوسائٹی
 اور معاونوں کے پُر زور مطالبات کے باوجود ابھی تک اُن کو حاصل نہیں کر سکی ہیں۔

اگر یہی سمجھ لیا جائے کہ پردہ ایک قید ہے تو یہ حقوق اس قید کا ایسا نعم البدل
 ہیں جس پر آزادی کو بھی رشک آتا ہے۔ اگر وہ حقوق ادا کئے جائیں تو عورت کو کبھی کوئی
 تکلیف جسمانی و روحانی نہیں ہو سکتی، اور اس کا دل سدا بہار پھولوں کی طرح ہمیشہ شگفتہ
 رہتا رہے گا۔ عموماً یہ حالت تمام شریف گھرانوں میں نمایاں ہے، اور جہاں یہ حالت
 نہیں ہے وہاں بھی زیادہ تر شدت کے ساتھ اختلافِ مزاج یا زوجین میں سے کسی
 ایک کی بد مزاجی اس کا باعث ہے۔ اس امر کی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ ایک
 مسلمان عورت اپنے گھر میں جس اطمینان سے زندگی بسر کرتی ہے وہ اطمینان متہذبن
 ممالک کی عورتوں کو نصیب نہیں۔ وہ عموماً جس طرح اپنے گھر کی مسرتوں سے بہرہ ور
 ہوتی ہے اُن مسرتوں کا وہاں شاذ و نادر بہت ہی خوش قسمت گھرانوں میں کچھ
 پہنچ سکتا ہے۔ یہاں اُس کی روزی کی کفالت اس کے شوہر اور اس کے خاندان
 کے مردوں پر ہوتی ہے وہاں عورتوں کا بیشتر حصہ اپنی روزی کے لئے سخت محنتیں
 لے میں لے کر اس محنت پر ایک مستقل رسالہ "ہیہ الزوجین" کے نام سے لکھا ہے جس میں زوجین کے
 تمام حقوق بالتصریح بیان کئے ہیں۔ ۱۲

برداشت کرتا ہے جن کے خیال ہی سے تکلیف ہوتی ہے کہما جاتا ہے کہ یہاں گھر کے اندر عورت صحت سے محروم ہو جاتی ہے۔ لیکن وہاں کی خوشگوار آب و ہوا اور کھلی زمین پر اس سے بڑی حالت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں جگہ اصول حفظان صحت کی عدم پابندی اور ناکافی و متغیر غذائیں اس کا سبب ہیں۔ وہ مغرب میں گھر کے باہر اپنے مرتبہ سے اتنی گر گئی ہے کہ تمام جرائم کا باعث اس کی ذات قرار دیدی گئی ہے اور اس پر مردوں کے لعن طعن کی بوچھاڑ ہے۔ مگر مشرق میں گھر کے اندر وہ ایک معصوم روح ہے۔ اور بقول ایک مغربی خاتون کے کہ ”مسلمان عورتوں کا پردہ بجائے ملت کے دراصل ان کی تعظیم و عزت کے لئے قائم کیا گیا ہے۔“

وہ سراپا عزت ہے بتایاں کا جس قدر مطالعہ کیا جائے گا، اور حالات موجودہ کی جس قدر چھان بین کی جائے گی محض عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا، اور ان کا تمدنی و معاشرتی زندگی میں حصہ لینا تمام اخلاقی خرابیوں کی بنیاد ہے۔ اور ان خرابیوں کو وہ تعلیم بھی جو عام طور سے دی جاتی ہے کچھ بھی رفع نہیں کر سکتی بلکہ ان کی مساوی بنی ہے اور اعداد و شمار اور واقعات بتا رہے ہیں کہ جن ممالک میں آزادی کے ساتھ نسبتاً تسلیم زیادہ ہے وہاں بد اخلاقی بھی بڑھی ہوئی ہے۔ گویا اس آزادی سے تریاق بھی زہر بن گیا ہے۔

پڑھی بلند آہنگی سے کہا جاتا ہے کہ پردہ عورت کی ترقی کے لئے سدِ راہ ہے۔ اور جب تک اس کا وجود ہے عورت ترقی نہیں کر سکتی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عورت کی ترقی کا مفہوم اور معیار کیا ہے اور کس حد پر اس کو ترقی یافتہ کہا جاسکتا ہے۔
مغربی نقطہ نظر سے۔

”صنعتِ نازک کی حالت بہتر بنانے سے یہ مفہوم ہے کہ تمدنی و معاشرتی زندگی میں اس کو وہ پایہ دیا جائے کہ وہ بلا امتیاز جنس دُنیا کے ہر کام میں آزادی سے حصہ لے سکے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے جو ضرورت محسوس ہوئی وہ اس کے لئے اعلیٰ تعلیم کے دروازوں کا کھولنا تھا۔ ان تمام مراحل اور دشواریوں کا تذکرہ کرنا جن کو برداشت کر کے زنانہ تعلیم نے یہ مرتبہ پایا ہے ایک طویل عمل ہے۔ اور اس کتاب کی تحریر کے مدعا سے بعید۔ صرف اس قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ معدودے چند صغیر ایسے رہے ہیں جن میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے سے قاصر ہیں اور اس رکاوٹ کے بغیر کے لئے پیہم کوششیں کی جا رہی ہیں۔

.....
اب وہ دُنیا میں اسی قدر جفاکشی، مستقل مزاجی، اور اہلیت کے ساتھ مردوں

کے دوش بدوش کام کر رہی ہیں، ادبی صیغوں مثلاً اخبار نویسی، تصنیفات، اور
 لائبریریوں کے سکرٹری شپ وغیرہ میں بھی ممتاز درجہ حاصل کیا ہے۔ تعلیمی صیغوں میں
 بھی ایک معقول تعداد موجود ہے۔ لیکن ہر عورت ڈاکٹر عالم اور وکیل نہیں بن سکتی۔
 امریکہ، فرانس، ڈنمارک، اور یورپ کی سلطنتوں میں عورتوں کو ہر شہری کڑی کی اجازت
 ہو مگر انگلستان میں صرف مختاری یا وکیلوں کی منشی گری کر سکتی ہیں۔

اس لئے صرف تعلیم کی بدولت ہے کہ ہم صدام عورتوں کو اسکولوں، نکلہ حفظان
 اور فیکٹریوں کی انسپکٹری، یتیم خانوں اور غریب خانوں کی منتہمی وغیرہ پر مامور پاتے
 ہیں۔ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد گرجاؤں، خانقاہوں، اور مشینوں اور
 دیگر نہایت سوسائٹیوں میں موجود ہے۔ صنعت و حرفت میں بھی انھوں نے ایک معتد
 جگہ لی ہے۔ صدام عورتیں کارخانوں اور کمپنیوں کی ایجنٹی کرتی ہیں۔ دوکانوں پر
 سودا فروخت کرتی ہیں۔ فرنیچر کی آرٹس، زرگری، (قانونی فیصلوں کی نقلیں
 کرنا) اور پروف ریڈری کرتی ہیں۔ ٹاپ راسٹری، شارٹ ہینڈ، کلر کی آجکل ان کا
 خاص پیشہ ہو رہا ہے۔ زراعت اور باغبانی میں بھی حال میں حصہ لینا شروع کیا ہے۔
 اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے نہایت کامیابی کے ساتھ ڈاکٹری کی خدمات انجام
 دے رہی ہیں۔

یہ حالت تو تمدنی اور معاشرتی زندگی کی ترقی کی ہے۔ لیکن اب سیاسی زندگی یہ ہو کہ

”کوئی پولیٹیکل جگہ ایسی نہیں جس پر عورت مامور نہ ہو سکتی ہو۔ ان کو مجز پارلیمنٹ کی ممبر بننے یا اس کے ووٹ دینے کے اور عموماً انتخابی حلقوں کے ووٹ کا اختیار ہے۔ اور اگرچہ وہ خود ممبر پارلیمنٹ نہیں بن سکتیں اور نہ ووٹ دے سکتی ہیں لیکن پھر بھی ووٹ دلانے میں ان کی کوششوں اور تقریروں کا بڑا حصہ ہے۔ اور اب ووٹینس سفریج WOMEN'S SUFFRAGE کی تحریک اس قید کو اٹھا دینے کے لئے نہایت زور شور سے جاری ہے اور گورنمنٹ ان کے مطالبات پر غور کرنے کے لئے مجبور ہو گئی ہے۔

کمیشن پر کمیشن بٹھائے جاتے ہیں۔ مسودہ قوانین پیش ہوتے ہیں۔ کہیں کامیابی ہو رہی ہے اور کہیں ناکامی اور کہیں مطالبات زیر غور ہیں۔

لیکن اس ترقی کے ساتھ جو تنزل ہوتا ہے وہ ان حقیقتوں سے ظاہر ہو گا کہ جن سے مغرب کی دنیا بے تمدن و تہذیب میں بل چل پڑ گئی ہے۔ اور جن پر بڑے بڑے فلاسفر اور مصلحانِ ہلک و ملت غور کر رہے ہیں۔ اور نالاں ہیں کہ کیوں صنعتِ نازک کو تمدنی اور معاشرتی زندگی میں یہ مرتبہ دیا گیا کہ وہ بلا امتیاز جنس دینا جس کے ہر کام میں آزادی سے حصہ لیتی ہے اور مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہے۔

ڈاکٹر گلیبان کہتا ہے کہ

”وہی مذہب (مساوات) کے بل پر عورت مرد سے مساویانہ حقوق اور مساویانہ تربیت کی

خواستگار ہے اور دونوں جنہوں کی قوتِ عاقلہ میں جو فرق ہے اس کو بھول گئی ہے لیکن اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گئی تو نہ یورپین مرد کو گھر لے گا نہ طمانیتِ قلب حاصل کرنے کے لئے کنیڈ اور خاندان میسر ہو گا۔“

بر خلاف اس کے مسلمان عورتوں کا مفہوم ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے فرائضِ طبعی کو انجام دے اور بصدق۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

(ترجمہ) اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ہمارے لئے تم ہی میں سے بی بیایاں پیدا کیں تاکہ تم کو ان کی طرف رغبت کرنے سے راحت ملے۔ اور تم

(میاں بی بی) میں پیارا اور اخلاص پیدا کیا۔ جو لوگ سوچ سمجھ کو کام میں آتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں (قدرتِ خدا کی بہت سی ہی) نشانیاں ہیں۔

اپنے شوہر کی تسکین کا باعث ہوا اور بچوں کی تربیت و پرورش کسے گھر کو خاوند اور خاندان کے مردوں کے لئے راحت کدہ بنائے اور اوقاتِ ضرورت میں مہرِ مشکل کے برداشت کرنے اور محنت اٹھانے کے لئے تیار رہے۔ مذہب و اخلاق کا روشن نمونہ ہوا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عفتِ جسم ہوا اور غیرت و حیا اُس کا زیور ہو۔

اب میں دریافت کرتی ہوں کہ کیا تمدنی و معاشرتی زندگی میں یہ ترقی حاصل ہو سکتی ہے

اور کیا یہ ممکن ہے کہ عورت، وکیل، بیرسٹر، کلرک، انسپکٹر اور ملازمتوں کے دوسرے شعبوں میں جا کر نہ کو روٹا بالا فرائض کو انجام دے سکے۔ کیا اس امر کا امکان ہے کہ انتخابی جھگڑوں میں مبتلا ہونے کے ساتھ گھر کے کاموں کو بھی انجام دے، اور مردوں کے ساتھ آزادانہ میل جول کے نتائج سے محفوظ رہنے کے لئے اپنی فطری کم زوری پر غالب ہو سکے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی عقلمند انسان ایسے قیود و شرائط کو کبھی گوارا نہ کرے گا جو انسانی ترقی کے لئے سدِ راہ ہوں خواہ وہ کسی ایک جنس کے لئے ہوں یا دونوں کے لئے۔

اسلام جس کا دعویٰ ہے کہ وہ انسان کی مادی و روحانی ترقی کے لئے پیغامِ بشارت لایا اور اُس نے دونوں جنس کو وہ حقوق عطا کئے جن سے اُن کی آزادی اور ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ کیونکہ ممکن تھا کہ اس کے احکام میں کوئی حکم ایسا ہوتا جو ترقی کا سدِ راہ ہو لیکن اسلام غیر مکمل ہوتا اگر وہ فطرتِ انسانی کا لحاظ نہ کرتا۔ کیونکہ وہ تو عین فطرت ہے اس لئے اس کے تمام احکام میں اصولِ فطرت ملحوظ میں یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ انسان کی دونوں جنسوں میں فطری فرق ہے اس لئے ان کے فرائض طبعی بھی جدا گانہ ہیں پس ان دونوں کے متعلق جو احکام ہیں وہ بھی اپنے فطری فرق پر مبنی ہیں۔ اور جب یہ فطری فرق موجود ہے تو لامحالہ ان کا مفہوم ترقی بھی کیساں نہ ہوگا۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب خدا نے نوعِ انسان کو دو اصناف میں تقسیم کیا ہے تو خود یہ تقسیم اس امر کا ثبوت ہے کہ دونوں کے فرائض مجداً اور دونوں کے

میدانِ عملِ علمدہ علمدہ ہیں، اسی کے ساتھ دونوں میں جو قوی ہے اُس کا دائرہ عمل وسیع اور جو ضعیف و ناترک ہے اس کا دائرہ عمل محدود ہے، ضعیف کے لئے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ وہ ان حدود سے باہر نہ ہو جس کے فرائض کی انجام دہی میں خلل پیدا ہو اور وہ ان اثرات سے محفوظ رہے، جس سے خانگی زندگی میں نقائص اور خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور یہی پردہ کی غایت ہے جس کی قریب قریب یورپ و امریکہ کے مصلحین معاشرت متناکر رہے ہیں، ہمارے لئے یہ امر غور طلب ہے کہ جب تاریخ کی زبردست شہادت ہمارے سامنے ہے کہ بے پردگی سے قوموں کا انجام حیرتناک ہوتا ہے اور خود اس زمانہ میں ہم اسکے نتائج کا مشاہدہ کر رہے ہیں، تو پھر ترک پردہ کی آرزو کماں تک جائز ہو سکتی ہے، ہم کو کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنی پُر امن و پرسکون زندگی کو پر فساد اور مصیبت خیز زندگی سے تبدیل کریں، اگر ہم کو موجودہ ادب و روپستی سے نکل کر بلندی کی طرف جانا ہے، تو ہمارے لئے رسم پردہ نہایت ضروری ہے، جو خانگی اطمینان اور سکون کا ضامن ہے بے پردگی کی زندگی کیوں اختیار کی جائے، جس میں قدم قدم پر خطرات اور مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے، اگر ہماری مستورات قید پردہ سے آزاد کر دی جائیں گی تو ترقی حاصل ہونا تو ممکن نہیں، البتہ یہ امر یقین ہے کہ قوم کی سستی ہی فنا ہو جائے اور جیسا کہ تجربہ بتاتا ہے کہ نئے طرز تمدن نے ہمارے نوجوان مردوں کو جدید تعلیم کے اعلیٰ محاسن اور تمدن یافتہ اقوام کی تہذیب و تمدن کی اصلی خوبیوں کے حاصل کرنے کے بجائے ان کے تمدن کے معائب اور خرابیوں کی نقل اتارنے میں مصروف کر رکھا ہے، بعینہ یہی حالت

ہماری عورتوں کی ہو جائے گی اور اُس وقت ایک مسلمان کا گھر اور باہر دونوں علیٰ اخلاق و اوصاف کے بغیر، صرف نمائش، وضع داری، فضول خرچی، اسراف اور عدم انبساط از دواج کا مرکز ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو اس سے محفوظ رکھے اور صراطِ مستقیم کا راستہ دکھائے۔

عورتوں کے فرائض طبعی کے لحاظ سے ان کے اعضاء کی ساخت تک میں فرق رکھا گیا ہے اور فطری ضرورتوں کے ہی مطابق ان کو قوتیں بھی عطا کی گئی ہیں اور یہ فرق ہر درجہ زندگی میں نمایاں ہے بعض عورتیں محض فیشن یا کسی شوق و نمائش کی غرض سے مردانہ لباس اور حرکات و سکنات کا اظہار کیا کرتی ہیں، اور بعض مردانہ چال ڈھال وضع اختیار کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ باتیں طبیعتِ ثانیہ ہو جاتی ہیں، اسی لئے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لعنت ہے اُس عورت پر جو مردوں سے مشابہت کرے اور لعنت ہے اس مرد پر جو عورتوں سے مشابہت کرے۔

عموماً پردہ اور تعلیم نسواں کی بحث میں مسلمانوں کے دورِ ترقی اور عہدِ عروج کی ان مسلمان خواتین کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جو علمی قابلیت اور اوصافِ بہادری و شجاعت میں ممتاز تھیں علمی مباحث میں حصّہ لیتی تھیں، علم و فضل اور عقل و فراست میں مردوں پر سبقت لے گئی تھیں، لڑائیوں میں شرکت کرتی تھیں، بہادری و شجاعت میں مردوں کے ہم پلہ بلکہ کبھی کبھی ان سے بھی بڑھ گئی تھیں، ان صحیح مثالوں کے ساتھ ساتھ اس

زمانہ کے خلفاء اور بادشاہوں کے درباروں کے مرقع بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ عورتیں آزادی سے ادھر ادھر آتی جاتی تھیں، اور مردوں کے حبلوں میں شریک ہوتی تھیں، بازاروں میں پھرتی تھیں، مسجدوں میں ان کی موجودگی عجب شان و شوکت پیدا کرتی تھی، وہ مسجدوں میں اس طرح معلوم ہوتی تھیں جس طرح موسم بہار میں بنہ زار کے اندر پھول نظر آتے ہیں وہ بڑے بڑے کالجوں، ورگاہوں اور شفاخانوں کی بانی تھیں اور خود منہی طلباء کو درس دیا کرتی تھیں، اسی حالت کے ساتھ ان میں سے بعض کو شاعری اور گانے بجانے میں کمال حاصل تھا، شاہزادیاں اور دوسری معزز خاتونیں آپس میں مل کر گاتی تھیں، بانسری اور ستار کا بجانا عام تھا، ان کا لباس اُس زمانہ کے فیشن کا نمونہ ہوتا تھا، اور وہ خود فیشن کی موجد ہوتی تھیں، زیور اور بناؤ سنگار کی انتہائی شوقین تھیں، پوڈرا و عطر کا عام استعمال ہوتا تھا، اور ان کے لباس کا شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان کے محل اور گھران تمام نفیس مصنوعات سے جو بہتر سے بہتر قسم کے تھے آراستہ ہوتے تھے۔

لیکن ان واقعات کے بیان کرنے اور مثالوں کے پیش کرنے میں ہمارے مخالفین اس زمانہ کی پوری حالت کا نقشہ نہیں کھینچتے اور مختلف اچھے برے واقعات کو بلا تیز غلط کر کے بیان کرتے ہیں، اس لئے اس زمانہ کی حالت کی صحیح تصویر ان کے بیان سے نظر نہیں آتی۔

بے پروگی کے بعض ایسے واقعات جن کو ہمارے مخالفین پیش کرتے ہیں صرف

محاضرات کی کتابوں میں منقول ہیں جن کو اسلامی طرزِ پیر میں افسانہ اور ناول کا درجہ دیا گیا ہے، اس لئے ان کو مستند تاریخی واقعات نہیں کہا جاسکتا، لیکن اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی اخلاقی حالت خراب ہو گئی تھی اور یہ اُس کے نتائجِ بد تھے جن سے احترازِ لازم ہے۔ عہدِ نبوت و خلافت میں عورتوں کی زندگی بالکل احکامِ قرآن و حدیث کے ماتحت تھی، اور ناممکن تھا کہ کوئی عورت یا مرد ان احکام کی خلاف ورزی کرے کہ حدِ منہر سے بچ سکے، عورتوں کی سترِ حیا اور گھر سے باہر نکلنے وغیرہ کی حالت احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے جو ہر مرحلہ زندگی اور ہر دور میں مسلمانوں کے لئے قابلِ تقلید ہے، اسلام نے عورت اور مرد کے اختلاط کو ہر موقع پر رد کیا ہے، حتیٰ کہ مسجدوں میں عورتوں کو مردوں کی صفوں میں ہرگز جگہ نہیں ملتی تھی بلکہ بعض اماموں اور فقیہوں کے نزدیک عورت کے سامنے گزرنے یا پاس گھڑا ہونے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مسجد نبوی میں ان کی صفیں اٹکوں کے پیچھے ہوتی تھیں اٹکوں کے آگے مردوں کی صفیں ہوتیں فراغتِ نماز کے بعد تمام مرد اپنی اپنی جگہ پر اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ عورتیں اپنے اپنے گھروں تک پہنچ جائیں سجدوں میں ان کے آنے جانے کا دروازہ بھی علیحدہ ہوتا تھا مسجد نبوی میں عورتوں کے لئے حضرت عمرؓ نے الگ دروازہ بنوایا تھا، طوافِ کعبہ میں بھی دونوں علیحدہ رہتے تھے اغزوات میں جب عورتوں کے جانے کی ضرورت پیش آتی تھی جہاں وہ اپنی غیرت و شجاعت کے اوصاف نمایاں کرتی تھیں تو وہ پچھلی صفوں میں رکھی جاتی تھیں خلافتِ راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دورِ حکومت آیا، اور اسلام کے احکام کی بجائے آدرسی میں کسی قدر سستی

پیدا ہوئی، تاہم یہ زمانہ مسلمان عورتوں کے لئے بُرا نہ تھا، اور اُن میں احکام کی پابندی
 زیادہ تر باقی رہی، عجمیہ کے دور میں جب تمدن انتہائے عروج کو پہنچ گیا اور مختلف
 قوموں نے مل جل کر بغداد کے گزرگاہوں اور بازاروں میں ایک ایسا تمدن پیدا کیا
 جس کو اسلام سے بہت کم تعلق تھا، یہ حکم اکثریت پر لگایا جاتا ہے، استثنائی صورتیں
 تو ہر قاعدہ میں ہوتی ہیں اس وقت جہاں ایک طرف حکومت اسلامی کو عروج ہو رہا
 تھا وہاں بعض اوقات ایسے خلفاء بھی حکمراں ہوتے تھے جو عیش و عشرت کے لئے ہر
 قسم کا شرعی حیلہ تراش لیتے تھے اور زر پرست علماء کو ان کی مرضی کے مطابق فتوے
 شرعی دینے میں کچھ تامل نہ ہوتا تھا یزید بن عبد الملک بن مروان کے سامنے چالیس
 سفید ریش لوگوں نے شہادت دی کہ خلیفہ وقت جو کچھ کر گیا نہ اُس کا حساب لیا جائیگا
 نہ اُس پر عذاب ہوگا، یزید بن عبد الملک نے یہاں تک جسارت کی کہ اس نے صرف
 اس لئے حج کا ارادہ کیا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پیے، ایک خلیفہ نے جمعہ کی
 امامت کے لئے اپنی ایک بیگم کو مروانہ لباس پہنا کر بھیج دیا، جس پر عامۃً مسلمین میں سخت برہمی
 پیدا ہوئی۔ کینزوں کا رکھنا، شراب کا پینا موسیقی اور اُس کے ساتھ تفرل ان درباروں
 میں عام طور پر رائج تھا۔ عیش پرستی کے لئے ایک ایک خلیفہ کی سینکڑوں کینزیں
 ہوتی تھیں، اور متوکل کی تو چار ہزار کینزیں تھیں، اسلام نے خاص خاص شرائط اور حدود
 کے اندر جاریہ رکھنے کی اجازت دی تھی اور گائے بچانے کے لئے لونڈیوں کو تعلیم
 دینے اور ان کی بیع و شری کرنے کی ممانعت کی تھی، لیکن اس زمانہ میں یہ

طریقہ نہایت غیر معتدل ہو گیا تھا، اور اُس نے عیش پرستی کی صورت اختیار کر لی تھی۔
 خلفاء کے مجلس رانج، گانے کے منڈوے بن گئے تھے، ہاروں رشید کے قصر میں
 تین سولونڈیاں تھیں جو ناپنے گانے اور بجانے پر مامور تھیں، یہی لونڈیاں ہیں جن کو
 گانے بجانے، اور آدابِ محفل کی تعلیم دی جاتی تھی، اور وہی خلفاء کی مجلسوں میں شریک
 ہوتی تھیں، اور بازاروں میں ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی، لیکن پھر بھی عام آزادی نہ
 تھی، بلکہ شرفاء میں پردہ جاری تھا۔

بغداد کے تمدن پر فرضی سفر نامے کے طور پر عربی زبان میں ایک جدید کتاب
 "حضارة الاسلام فی دار الاسلام" کے نام سے لکھی گئی ہے اس میں ایک باب خاص طور
 پر دہاں کی عیش پرستی کا باندھا گیا ہے، لیکن اس میں اس کا تعلق صرف لونڈیوں کے
 ساتھ ثابت کیا گیا ہے شریف عورتوں کے بعض واقعات جو نقل کئے ہیں اس سے
 بالکل مختلف نتائج نکلتے ہیں۔

الغرض یہ واقعات اُس زمانہ کے محاسن میں نہیں بلکہ معائب میں سے ہیں جس
 طرح موجودہ زمانہ کے معائب اور خرابیوں کو کسی آئینہ زمانہ میں بطور استدلال کے پیش
 کرنا غلطی ہے، اسی طرح کسی پہلے زمانہ کے معائب اور خرابیوں کو جو صحیح احکام اسلامی
 کے خلاف ہیں، دلائل جواز کے کام میں لانا یقیناً فریب دہی ہے۔ چنانچہ جس زمانہ میں
 اس بے پردگی کے آثار کبھی کبھی نظر آتے ہیں اُس زمانہ کے علماء صلحاء اور مصلحین کی تحریریں
 پڑھتے تو معلوم ہو گا کہ وہ ان کو کس قدر بُرا اور خلافِ شریعت سمجھتے تھے۔

علاوہ بریں ان بے پردہ واقعات کا ذکر تاریخ میں نہیں بلکہ زیادہ تر محاضرات اور الف لیلہ وغیرہ قصہ کہانیوں کی کتابوں میں سب جن کا کوئی تاریخی اعتبار نہیں تاہم اصلی جڑائیوں کو چھوڑ کر یہ کبھی بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ان مقامات میں بھی عورتیں بلا نقاب شریک ہوتی تھیں، بلکہ تاریخی کتابوں کو چھوڑ کر اس عہد میں الف لیلہ وغیرہ جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی کبھی کوئی مسلمان عورت بازاروں اور گلیوں میں کھلے منہ، بلا برقع و نقاب نظر نہیں آتی، اور یہ بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ اسلام میں پردہ اور ستر ہمیشہ سے اُس کے تمدن کا جز رہا ہے اب اسی زمانہ کے تاریخی واقعات ملاحظہ کیجئے۔

مامون الرشید کے زمانہ میں جو اس تہذیب و تمدن کے لئے بہت مشہور ہے شرعی پردہ کا رواج تھا، اور منہ کھول کر مردوں کے سامنے آنے کو برا سمجھا جاتا تھا، ہارون الرشید کی بہن عباسہ اور اُس کے وزیر جعفر کے عقد کا واقعہ اگرچہ بہت مشتبہ ہے بعض مورخین اس کو غلط کہتے ہیں اور بعض صحیح تاہم جو مورخ اس کو صحیح سمجھتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ رشید کو جلسہ شراب میں بغیر جعفر و عباسہ کے صبر نہ آتا تھا، اس لئے اس نے جعفر سے کہا کہ میں عباسہ کا نکاح، تمہارے ساتھ کئے دیتا ہوں تاکہ تم کو اُس کا دیکھنا جائز ہو جائے۔

خود ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون نے جو اُس زمانہ میں سب سے زیادہ ممتاز ملکہ تھی اپنے بیٹے امین کے مرثیے میں جبکہ وہ مامون الرشید کے مقابلہ میں طاہر کے

حکم سے قتل کیا گیا تھا، طاہرے خطاب کر کے لکھا ہے۔

”خدا طاہر کو پاک نہ کرے، نہ وہ طاہر بنے، نہ مہر مجھ کو کھلے منہ اور کھلے بالوں

گھر سے نکالا۔“

اندلس کی ترقی کے زمانہ میں بھی جبکہ عورتیں علمی قابلیت اور شجاعت میں مشہور تھیں بالذات باہر نہیں نکلا کرتی تھیں، خلفاء عباسی کے زمانہ میں یہ بھی مثال ہی کہ ایک خاتون نے یہاں تک پردہ میں شدت کی تھی کہ اس نے اپنے ایک نہایت قیمتی کپڑے کو اس لئے استعمال کرنا پسند نہ کیا کہ اس پر نامحرم کی نظر پڑی تھی۔ یہ کپڑا اس قدر قیمتی تھا کہ اس کی قیمت سے ایک نہایت عالی شان مسجد تیار کی گئی۔

چھٹی صدی ہجری کا مشہور سیاح ابن حبیر قاہرہ اور اسکندریہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس شہر کی خویوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہاں کی عورتیں نہایت محفوظ طریقہ سے رہتی تھیں اور گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں، کوئی عورت کسی گلی میں نہیں نکلتی اس زمانہ میں مسلمان عورتوں کے پردہ کا انزعیسائی عورتوں پر بھی تھا۔ چنانچہ یہی سیاح لکھتا ہے کہ

”اس شہر کی نصرانی عورتوں کی وضع مسلمان عورتوں کی سی ہے وہ دوپٹہ اوڑھ کر

اور نقاب ڈال کر اس عید میں نکلیں زریں حریر کے کپڑے پہنے ہوئے تھیں، جنہرے

موزے تھے، اور رنگ رنگ کے نقاب ڈالے ہوئے تھیں۔ اور اپنے گرجا میں

مسلمانوں کی تمام زینتوں یعنی زیور، ہندی اور عطر سے آراستہ ہو کر گئیں۔“

مکہ معظمہ کے حالات میں لکھتا ہے۔

”جمعرات کا دن صرف عورتوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اور مردوں نے ان کو

طواف کا موقع دیا۔ خانہ کعبہ کے گرد کوئی مرد نہیں رہا۔“

پانچویں صدی کا سیاح حکیم ناصر خسرو مصر کے حکمران المعز لدین اللہ کے زمانہ کے حالات میں

لکھتا ہے۔

”اس حاکم کے زمانہ میں ہرگز شراب پینے کی رسم وہاں نہ تھی اور کوئی عورت گھر سے

باہر نہیں نکلتی تھی۔“

ابن بطوطہ آٹھویں صدی ہجری کا سیاح جب تبریز میں ترک و ترکی عورتوں کو جو ہر چیز

کی دوکانوں پر جہاں نوعمر اور خوبصورت ملازم جو اہرات بیچنے پر مامور ہوتے تھے۔ بے پردہ

خرید و فروخت کرتے دیکھتا ہے تو لکھتا ہے کہ اس طرز خریداری میں مجھے فتنہ کا یقین ہوا جس سے

خدا کی پناہ مانگنا چاہیے۔

بین کے شہر زبیدی میں جو اپنے تمدن و معاشرت کے لحاظ سے بہت ہی ممتاز تھا

عورتیں محلوں میں بیٹھ کر غلستان میں جاتی تھیں۔

پانچویں صدی ہجری کی ابتدا میں القادر باللہ نے جو ایک نہایت فقیہ اور احکام

شرعیہ کا پابند خلیفہ تھا۔ عورتوں کو رات یا دن میں راستوں میں نکلنے سے قطعی منع کر دیا

نعمت و سرود کے رواج کو محمد بن ہارون نے مٹایا القاهر باللہ نے چوتھی صدی میں گائے

والی کینزکوں کو رکھنے سے منع کر دیا۔ ان کو بچہ پالنے کا حکم دیا، گوتوں کو گرفتار کر لیا غنیمتوں

کو شہر بدر کر دیا آلات لہو کو توڑ ڈالا، شراب کی خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا حالانکہ خلیفہ و سخت شراب پیتا تھا۔ اور کبھی گانا سننے سے سیر نہ ہوتا تھا۔

الغرض وہ خلفا اور بادشاہ جو مذہب کے پابند ہوتے تھے ہمیشہ پابندی شریعت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اور مفساد کی اصلاح کر دیا کرتے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے تمدن و تہذیب کا عروج عمدہ سلطنت مغلیہ میں تھا لیکن باوجودیکہ اکثر بادشاہ عیش و عشرت میں مبتلا رہے اور ان کا حرم بھی کنیزوں سے معمور رہا، لیکن انھوں نے پردہ میں نہایت اشتداد کیا۔

نور جہاں بیگم جو اپنی قابلیت اور شجاعت میں مشہور ہے پردہ کی اتنی پابند تھی کہ ایک مرتبہ جب وہ غرفہ محل میں کھڑی ہوئی تھی تو اس نے ایک غیر محرم شخص کی اتفاقیہ نظر چڑھنے پر اسے گولی مار دی۔

مرحوم مولانا شبلیؒ نے گلبدن بیگم کی کتاب ہمایوں نامہ پر جو ریو لکھا ہے اس میں عورتوں کی آزادی کے متعلق متعدد واقعات لکھے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ”لیکن ہمارے زمانے کے پردہ شکن گروہ کو یہ سن کر ایسی ہوگی کہ ان سب باتوں کے ساتھ عورتیں نامحرم سے پردہ کرتی تھیں اور بغیر نقاب اور برقع کے باہر نہیں نکلتی تھیں، ہمایوں نے نکاح سے پہلے جب حمیدہ بانو بیگم کو بلایا ہے تو اس نے کہا کہ ”آداب سلطنت کے لحاظ سے ایک دفعہ میں بادشاہ کے سلام کو جا چکی ہوں

دوبارہ جانا نامحرم کے سامنے جانا ہے ”چنانچہ وحید و بانو بیگم کے الفاظ یہ ہیں ۔
 ”ویدن پادشاہان یک مرتبہ جائز است و در مرتبہ دیگر نامحرم است“ چنانچہ
 جب تک شادی نہیں ہوئی کبھی ہمایوں کے سامنے نہیں آئی ۔

اسی کامیوید ایک دوسرا واقعہ ہے کہ جب ہمایوں کا وقت نزع تھا۔ خاندان کی تمام
 بیگمات اس کے آس پاس جمع تھیں اور عاملین سلطنت چاہتے تھے کہ اس وقت یہ
 بیگمات یہاں سے اُٹھ جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی تو یہ کہہ کر ان سب کو اٹھایا کہ
 ابقا و حکما بادشاہ کے دیکھنے کو آتے ہیں چنانچہ گلبدن بیگم اسی تذکرہ میں لکھتی ہے کہ
 ”وعمہ مارا و مادران مارا بہ ہانہ برآوردند کہ طیبیان و حکیمان برائے ویدن می آیند ہمہ

برخواستند ہمہ بیگمان را و مادران مرا بجانہ کلاں بردند“

جہان آرا بیگم (زینت شاہ جہاں بادشاہ) ایک سنایت لائق اور صاحب علم بیگم تھی، ایک
 دفعہ وہ باغ کی سیر کو نکلی، ایران کا ایک گستاخ شاعر میر صیدی طہرانی کہیں چھپکے بیگم کی سواری
 کا تماشا دیکھ رہا تھا، بیگم کا ہاتھی جب پاس سے گزرا تو اس نے یہ شعر پڑھا ہے

برقع برخ افگندہ بردناز بہ باغش

تا نکست گل مخمستہ آید بہ دماغش

باغ میں چہرہ پر برقع ڈال کلاس لئے جاتی ہے کہ دماغ میں پھول کی خوشبو چھکر جائے بیگم
 نے حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں لائیں، شعر پڑھوا کر سنا اور پانچ ہزار انعام دیا، لیکن اس

لے ہمایوں نامہ صفحہ ۲۵۔ ۲۶ ماخوذ از مقالات شبلی تذکرہ زیب النساء ۱۲

گستاخی کی سزا میں حکم دیا کہ شہر بدر کر دیا جائے،
 تیموری بیگیاں میں سے اکثر بیگیاں اپنی لیاقت اور کمالات میں مشہور ہیں، مگر کسی
 جگہ یہ نظر نہیں آتا کہ وہ بے پردہ اور بے نقاب مجمع عام میں موجود رہی ہوں۔
 ساتویں صدی کے مشہور اہل البداء اور بزرگ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لڑکی عقیقہ
 مستورہ کو بوجھتیس کی ہیں، ان میں جا بجا نہایت شد و مد سے پردہ کی تاکیدیں ہیں۔
 پادشاہوں اور امرا کے علاوہ عام مسلمانوں میں پردہ کا رواج اور بھی سخت تھا، چنانچہ
 جو عورتیں درس دیا کرتی تھیں ان کی نسبت ظن غالب یہی ہے کہ وہ اس عمر پر پہنچ کر جبکہ
 وہ پردہ سے مستثنیٰ ہو جاتی ہیں، بلا پردہ اس علمی خدمت کو انجام دیتی تھیں یا برقع و نقاب
 میں، کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ وہ حدیث و فقہ کا درس ایسی حالت میں دیں کہ خود اس کے خلاف
 عمل کر رہی ہوں، چنانچہ اس کی مزید تفصیل آئندہ آئے گی۔ بہر حال جہاں تک
 واقعات اور تاریخ کی چٹان بین کی جائیگی اُسی قدر ثابت ہو گا کہ ہر زمانہ میں مسلمان عورتیں
 اول تو عموماً گھروں کے اندر ہی ہیں اور اگر گھروں سے کبھی باہر نکلی ہیں تو حجاب شرعی
 کے ساتھ، حتیٰ کہ عیش پرست خلفاء کے زمانہ میں بھی ان کا حجاب شرعی قائم رہا۔ ہے
 اور اگر کہیں بے پردگی کی کچھ مثالیں مل سکتی ہیں تو وہ ان ہی کینزوں کی ہیں جو مختلف
 اقوام اور مختلف بلاد سے خرید کی جاتی تھیں، اور پھر کسی خلیفہ کے زمانہ میں خواہ وہ کیسا ہی
 حدود و قیود شرعی سے آزاد رہا ہو عورت مردوں سے میل جول کے وہ مواقع نظر نہیں آتے

نہ کہیں ایسے قہرے خانوں کا وجود نظر آتا ہے، جہاں یہ دونوں جنسیں بے حجابانہ مل سکیں۔
 نہ ایسے تماشگاہ معلوم ہوتے ہیں جن میں خیاسو زمرق نظر آئیں اکثر بدوی عورتوں کی
 ہاں نوازی کے واقعات بھی بے حجابی کے دلائل میں بیان کئے جاتے ہیں، مگر
 ان کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح دیہاتی عورتیں اپنی سادگی اور پاکبازی کی وجہ سے
 شہر والیوں کی طرح محنت پر وہ کی پابند نہیں ہوتیں۔ اسی طرح وہ بھی رستی تھیں تاہم جن
 لوگوں کو سفرِ حج کا اتفاق ہوا ہے وہ یعنی مشاہدہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جن بدوی عورتوں
 میں ذرا بھی تیز رہے اور احکامِ اسلامیہ سے کسی قدر بھی واقفیت ہے وہ کبھی بھی بلا نقاب
 اور برقع کے نہیں نکلتیں، اسی کے ساتھ بدوؤں کا کیر کڑ نہایت عمدہ اور مضبوط ہوتا ہے
 چنانچہ حضارۃ الاسلام فی دار السلام میں لکھا ہے۔

”بدو بدکاری نہیں کرتے بلکہ زانیوں کو قتل کی سزا دیتے ہیں۔“

اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں عصبیت ہے اور دیہات میں وہ فواحشات بہت کم
 ہوتے ہیں، جو شہروں میں تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں، ان کی عورتیں
 بہ نسبت شہر کی عورتوں کے سادہ معاشرت رکھتی ہیں، اور سادہ غذا پر بسر کرتی ہیں، مردوں
 میں بھی حیا اور ناموس کی عزت کا احساس بدرجہ اتم ہوتا ہے۔

پردہ کی ضرورت شہر میں زیادہ ہوتی ہے، اور جس قدر کسی شہر کا تمدن بڑھتا جائیگا
 پردہ کی ضرورت سخت ہوتی جائے گی، جہاں ہر قسم کے بُرے بھلے لوگ ہوتے ہیں وہاں
 میں اب بھی پردہ کی چنداں پابندی نہیں کی جاتی، کیونکہ وہاں عصمت کی محافظ مردوں اور

عورتوں کی سادہ زندگی اور اسبابِ تعیش کی عدم موجودگی اور پاکبازی ہوتی ہے اس زمانہ میں جبکہ عورت کی ترقی کا آفتاب مغرب میں نصف النہار پر ہے اور وہ ہر جگہ مختلف حیثیتوں میں مردوں کی طرح تمدنی زندگی میں حصہ لے رہی ہے، شریف خاندانوں اور نجیب طبقوں میں شہروں کی فیشن اہل زندگی سے دیہات کی سادہ زندگی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور عموماً عام لوگوں سے ملنے جلنے میں احتیاط برتی جاتی ہے اور یہ حالت کسی ایک ملک کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ ہر ملک میں دیہاتی عورتیں بہ نسبت شہری عورتوں کے زیادہ پاکباز ہوتی ہیں۔

لوسی، ایم جی گارنٹ صاحبہ اپنی کتاب "دین آف ٹرکی" "ٹرکی کی عورتیں" میں گرو عورتوں کے پردہ کی بات لکھتی ہیں۔

"دیہات کی عورتیں جب قافلے کے ساتھ کوچ کرتی ہیں تو اپنے چہروں کو کسی قدر رومال سے چھپا لیتی ہیں، خدنگا مردوں کو بخلاف ترکوں کے گھر کے اندر آنے سے روکا نہیں جاتا، اور مرد و عورتوں کی ملاقات بے کھٹکے عورتوں کے روبرو ہوتی ہے، باوجود اس ظاہری آزادی کے گرو عورتیں اپنی نیک چلنی کا بہت پاس رکھتی ہیں نہ تو وہ مثل ارمینی عورتوں کے بزدل ہیں، اور نہ مثل عثمانی مستورات کے ولیہ ہیں، قلم و عثمانیہ کی تمام اقوام میں ان عورتوں کی اخلاقی حالت نہایت ہی اعلیٰ ہے

اگر عورت سے ذرا بھی بدعنوانی سرزد ہوتی ہے تو مرد فوراً اسے قتل کر ڈالتا ہے ،
 اور کنبے والے بجائے تعرض کے الٹا اس کی تعزین کرتے ہیں ، ایسی بہت سی
 حکایتیں مشہور ہیں ، کہ فلاں موقع پر بغداد کے ایک گروکپتان نے اپنی عورت کی
 بد معاشی کا حال سُن کر پُشیدہ طور پر گھر آ کے اسے اور عیس کے عاشق کو جان
 سے مار ڈالا ، اسی طرح ایک پندرہ سالہ لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں کو اور اس کے ناجائز
 دوست کو جبکہ اس کا باپ کسی فوج کے رئیس سے کسی تنازعہ کے لئے پڑوس
 گیا تھا مار ڈالا ۔ ان دونوں حالتوں میں قاتلوں کی تعریف ہوئی اور مقتولین کے
 رشتہ داروں نے حکام سے چارہ جونی نہیں کی بلکہ کوئی ان کی تعزیت اور ماتم
 پرسی کو بھی نہیں آیا ۔

البانیوں کے متعلق لکھتی ہیں ۔

” البانی اپنی عورتوں کی اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ ان جگہزوں میں بھی خواہ کیسا ہی
 غنا و ہوجورت پر حملہ کرنا ہے ادنیٰ خیال کیا جاتا ہے اگر کوئی شخص کسی عورت کو بھگائے جائے
 یا اور کسی قسم کی بے حرستی عورت کی شان میں اس سے سرزد ہو تو بڑی غوریزی
 واقع ہوتی ہے اگر کوئی البانی عورت زنا کی مرکب ہو تو اس کو کندھوں تک ایک
 غامیس بٹھا کر سنگسار کر دیتے ہیں ۔ اس کے شوہر کو حق ہوتا ہے کہ اپنی منکوحہ
 سے زنا کر نواہوں کو فوراً مار ڈالے ۔ لیکن ایسے اتفاقات کم ہوتے ہیں ۔

تاتاری خانہ بدوش عورتیں بھی گھر سے باہر بڑقع کا استعمال کرتی ہیں ۔

البانہ کے بعض مقامات میں تو یہ حالت نہ صرف مسلمانوں کی ہے بلکہ عیسائی عورتیں بھی برقع کا استعمال کرتی ہیں۔

مروایت عورتیں سپید اونی کوٹ، سُرخ پاجامے، اور ایک نیلا رومال استعمال کرتی ہیں، عیسائی عورتیں بھی اسی طرح کا لباس پہنتی ہیں۔ لیکن اس کا رنگ زرد ہوتا ہے ترکی مسلمان عورتیں جب باہر جاتی ہیں تو شیشاق (برقع) اور زنجیر (عبا) پہنتی ہیں، عیسائی عورتیں بھی اگر وہ مسلمانوں کے قریب آباد ہیں تو یہ دونوں چیزیں استعمال کرتی ہیں۔ لیکن ان کا عبا مختلف وضع ہلکے سُرخ رنگ کا ہوتا ہے اور اس کے اوپر صلیب کی شکل بنی ہوتی ہے۔

اور جس غیرت کا ظہور ان مسلمان عورتوں سے ہوتا ہے وہی حالت ان کی بھی ہے۔ مروایت پہاڑیوں میں عورتوں کی محنت کی بڑی کچھ بھال ہے۔ اگرچہ ان کی عورتیں بڑی آزاد ہیں۔ لیکن کنواری لڑکی گھر سے باہر نہیں نکلتی اور اپنے کسی عزیز سے بات بھی نہیں کر سکتی۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے کسی دوست کی بہن کی نسبت چند آدمیوں کے سامنے ہنسی میں کہا کہ میں نے اُس کو ایک جوان آدمی سے بات کرتے سنا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسٹر سنڈے کے دن غٹائے بتانی کی رسم کے بعد وہ بیچاری لڑکی جس کی عمر ۱۵ سال سے بھی کم تھی علی رؤس الاشهاد اُٹھی اور خدا کو اپنی پاکدامنی کا گواہ بنا کر ایک پستول سے اپنا کام تمام کیا وہ دن کے بعد تم بھی اس دوشیزہ کے بھائی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (وین آف ٹرکی)

عام ممالک اسلامی میں اس حالت کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا ایک مضمون
 لکھتا ہے کہ

دو اسلامی ممالک میں سوائے باپ، بھائی اور شوہر کے دیگر اعزائے سلسلے عورتیں منہ پر لٹکا
 ڈال کر آتی ہیں۔ اس رسم کی عدم پابندی ایک بہت بڑا اخلاقی جرم تصور کیا جاتا ہے
 اگر کوئی غیر شخص حرم میں داخل ہو جائے تو اس کو جان سے۔ روڈا ناجائز سمجھا جاتا ہے
 اگر کوئی حرم کی عورت حرم سے باہر نکل جانے کا ارادہ کرے تو مرد اس کے ارد گرد
 میں ذرا داخل نہ کرے گا۔ کم مذہب ممالک میں مرد کو اپنے حرم میں سے کسی نامزد
 یا بچہ عورت کو قتل کر دینا کوئی جرم تصور نہیں کیا جاتا ہے

افغانستان کے دیہات میں اگرچہ بوجہ مذہبی تعلیم عام نہ ہونے کے پر وہ کامل
 معیار پر نہیں ہے لیکن وہاں قومی جمعیت اتھامی و جپر ہے اور شہر خٹک اپنے ذاتی
 ناموس و عزت کی طرح دوسرے کی عزت و ناموس کی حفاظت کرتا ہے اور اگر کسی کے خلاف
 کوئی واقعہ ہو جائے تو قومی طور پر سخت مزاحمت کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک عورت کُندز نامی
 نے اس قسم کا ایک چشم دید واقعہ سے سنا سننے بیان کیا کہ

”میں کاشوہر ولایتی راجستان، افغانستان کے کوہندوستان سے اپنے ساتھ
 افغانستان لے گیا۔ دو نوں میاں بیوی ساہما سال تک ایک
 گاؤں میں جہاں ان کا گھر واقع تھا مقیم رہے وہاں ایک بیوہ بھی رہتی تھی جس کے
 نزدیک مخفی طور پر کوئی غیر مرد آجایا کرتا تھا۔ اہل محلہ نے بیوہ کو سمجھایا کہ وہ اپنا

عقد کر لے لیکن بیوہ نہ مانی۔ لوگوں نے مشتبہ ہو کر ٹوٹ لینی شروع کی اور بالآخر ایک دن اس شخص کی موجودگی کو معلوم کر کے اس بیوہ کا مکان اہل محلہ نے گھیر لیا تاکہ جب وہ نکلے تو گرفتار کر لیا جائے لیکن اس شخص کو بھی معلوم ہو گیا اور وہ اندر سے نکل آیا لیکن چونکہ اہل محلہ کو اس کی موجودگی کا یقین تھا وہ آواز دے کر اور اطلاع کر کے اندر داخل ہوئے۔ تلاشی شروع کی اور گھاس بھری کوٹھڑی میں چھپا ہوا پایا۔ پہلے اس کو پکڑ کر ایک پلنگ پر ریتوں سے چورنگ باندھا پھر بیوہ کو دوسرے پلنگ پر اسی طرح کس دیا دونوں پر سفید چادریں ڈال دیں اور جنازے بنا کر صبح کو ایک میدان میں لے گئے وہاں سب نے ناچنا گانا شروع کیا۔ عورتیں ڈھول بجاتی تھیں اور مرد شہنائی بجاتے تھے اور کچھ برہنہ تلواریں ہاتھ میں لئے ”وے، وے“ کے نعرے مارتے تھے اور جب چکر میں اُن جنازوں پر تدارک داکرتے تھے تو اُس وقت تمام عورتیں تالیاں بجاتی تھیں۔ مرد پھر ”وے، وے“ کے نعرے مارتے گذر جاتے تھے۔ غرض اسی طرح دونوں جنازوں کا قیمہ قیمہ کر دیا اور دفن کر کے اپنے اپنے گھر وں کو واپس آ گئے۔“

اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی سزائیں ضرور وحشیانہ متصور ہوں گی لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ جہاں ایک ہی مذہب و قوم کے لوگ آباد ہوں اور ان میں اس درجہ عصبیت ہو تو اتنی بے پردگی کچھ زیادہ مضر نہیں ہوگی لیکن جب نہ تو قومی عصبیت ہو اور نہ تمدن و تہذیب ایسی سزائوں کی اجازت دے مختلف المذاہب اقوام کے ساتھ

بود و باش ہو تو لا محالہ پردہ اور وہ بھی سخت پردہ ضروری ہے لیکن کسی صورت میں پردہ
 ہمدردی، تعلیم اور قومی دملکی بھلائی کے کاموں میں مابج نہیں ہو سکتا۔ اب بھی اگر عورت
 و مرد کی سوسائٹیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اور عورتوں کو ان کاموں میں جو ملک و قوم کی
 بھلائی کے لئے ضروری ہیں اپنے دائرہ میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے تو اگرچہ وہ
 قوانین نافذ نہیں ہیں لیکن سوسائٹی کی تفریق ان اثرات سے محفوظ رکھنے کی عورتوں کی
 سوسائٹیاں نہ شرعاً ممنوع ہیں اور نہ ان میں بُرائی کا احتمال ہے البتہ اگر ان سوسائٹیوں کا
 مقصد خود نمائی اور اظہارِ شان و افیشین کی نمائش ہو تو ان کا وجود بھی مضر ہوگا۔ آج بھی عورتیں
 درس و تدریس کا کام کر سکتی ہیں لیکن یہ تو ضرور نہیں ہے کہ وہ پردہ سے باہر نکل کر اس
 مشغلہ کو اختیار کریں۔ اب بھی بعض بعض مقامات پر مدرسوں میں اور گھروں کے اندر
 مکتبوں میں عورتیں پڑھاتی ہیں۔ گھر میں جو مکتب ہوتے ہیں ان میں لڑکے اور لڑکیاں
 دونوں پڑھتی ہیں مگر یہ سب بچے نا سمجھ ہوتے ہیں اور جس طرح کہ مسلمان عورتوں نے
 زمانہ سلف میں داوِ شجاعت دی تھی اس زمانہ میں بھی موقع پر ان سے یہی توقع
 ہے بلکہ اس توقع سے بھی زیادہ۔ اور عموماً اس قسم کی مثالیں اخبارات میں نظر آتی
 رہتی ہیں۔ ان صفات کا تعلق بے پردگی سے نہیں ہے بلکہ ان خاص جذبات ملی
 اور قومی سے ہے جن کی تربیت مذہبی و وطنی اثر سے ہوتی ہے۔ قوموں کے اوقات
 مصیبت میں عورتوں کی امداد ان کے قومی جذبات پر مبنی اور قومی ہستی کے فناء بقا
 کے احساس کا نتیجہ ہے۔ گمراہی سے قوموں کی عمروں میں شاذ ہی آتے ہیں۔

۱۲ء میں جب بھوپال ایک شدید محاصرہ میں مبتلا تھا اور غنیم کی قوت اس قدر زیادہ تھی کہ ہر وقت شہر کے فتح ہو جانے کا اندیشہ تھا تو پردہ نشین عورتوں نے بھی کمال بہادری کے ساتھ غنیم کا مقابلہ کیا اور شہر کو مفتوح ہونے سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح ۱۸ء میں جب قلعہ اسلام نگر چلمہ ہوا تو اس کی مدافعت ایک خاتون جملہ نشین موتی سکیم کی زیر قیادت کی گئی تھی۔

ابلا شہ عورتوں کے کاموں میں بعض کام ایسے ناگزیر ہیں جن میں اُن کو سوسائٹی کی ضرورت ہے۔ مثلاً تعلیم، سماج و غیرہ لیکن ایسی سوسائٹی بھی عورتوں سے بن سکتی ہے۔ عورت، عورت کو تعلیم دے، عورت کی تبلیغ ہو، عورت عورتوں میں اخلاق و تعلیم و جذباتیت ملی و ملا دو باہمی کے لئے بھی وعظ و نصیحت کریں اس میں کوئی برج نہیں کیونکہ یہ سب پردہ کے اندر ممکن ہے اور زمانہ پیشین کی بھی مثالیں ہمارے سامنے ہیں اگر وہ اس طرح ایسے فرائض کو انجام نہیں دے گی اور آزاد سوسائٹی کی خواہش کرے گی تو اُن حدود سے تجاوز ہوگی جو خالق کائنات نے قائم کی ہیں اور پھر وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتی۔



پردہ اور شریعت

پردہ اور قرآن | پردے کا یہ عالم گیر رواج جو تمام دنیا کے اسلام میں جاری رہا کوئی جبری چیز نہ تھا بلکہ خود شریعت اسلام نے عورتوں کو اسکا پابند بنایا تھا، چنانچہ اسکے متعلق قرآن، حدیث، آثار صحابہ، اقوال فقہاء رب میں نہایت مشہح احکام موجود ہیں قرآن مجید نے پردہ اور پردہ کی تمام جزئیات کو اس تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان کے متعلق کسی قسم کی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ قرآن مجید کا عام انداز یہ ہے کہ نہ صرف اصولی باتوں کو لیتا ہے اور جزئی امور کی تفصیلات کو پیغمبر کریم (صلعم) پر چھوڑ دیتا ہے مثلاً قرآن مجید میں نماز روزہ اور زکوٰۃ کا حکم ہے لیکن ان کے تمام جزئیات کی تعیین و تحدید احادیث سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر اگر قرآن مجید میں کسی حکم کے ساتھ اُس کے تمام جزئیات کی تفصیل بھی مذکور ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ جزئیات ضمنی اور فرعی نہیں ہیں بلکہ اصول میں داخل ہیں۔ قرآن مجید میں پردہ کا جو حکم دیا گیا ہو اُس کے ساتھ اُس کے تمام جزئیات بھی مذکور ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ معمولی احکام نہیں ہیں بلکہ نہایت اہم اور ضروری ہیں، چنانچہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ ان تمام آیات کو یکجا جمع کیا جاتا ہے پردے کا حکم سب سے پہلے ازواجِ مطہرات کو دیا گیا اور حسب اختلاف روایت ذی قعدہ ۱۱ یا ۱۲ھ میں یہ آیت

نازل ہوئی۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تدخلوا
بیوت النبی الا ان یؤذن لکم
الی طعام غلیظا ینظرین انا ہ و
لکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا
طعمتم فانشرؤا ولا مستانین
لحدیث ان ذلکم کان یوذی
النبی فیستحی منکم واللہ لا یتحی
من الحق واذا مسالمتموهن
مناعاً فسلوهن من وراۃ حجاب
ذلکم اطہر لقلوبکم وقلوبہن و
ما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ
ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ
ابد ان ذلکم کان عند اللہ عظیما

مسلمانو! پیغمبر کے گھر میں نہ جایا کرو بغیر اس
صورت کے کہ تم کو کھانے کے لئے اجازت
دی جائے تو اس صورت میں ایسے وقت پر
جاکو کہ تم کو کھانے کے تیار ہونے کا انتظار کرنا
نہ پڑے مگر جب تم کو بلایا جائے تو عین وقت پر
جاؤ اور جب کھا چکو تو آپ ہی آپ چل دو اور
باتوں میں نہ لگ جاؤ اس سے پیغمبر کو تکلیف
ہوتی تھی اور وہ اس کے اعلیٰ میں تمہارا لحاظ
کرتے تھے لیکن خدا حق بات کے کتے میں کسی
کا لحاظ نہیں کرتا اور ازواجِ مطہرات سے جب
کوئی چیز مانگو تو پرے کے چھپے سے مانگو۔ یہ تمہارے
اور ان کے دلوں کو پاک و صاف کر دے گا اور
تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ کو اذیت
دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے
کبھی نکاح کرو، خدا کے نزدیک یہ بڑی بات ہے
لیکن اس آیت میں ازواجِ مطہرات کو گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت نہیں کی گئی

اس لئے اُن کو کوئی نہ چھیڑے گا اور خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں ادنیٰ ان بھمن کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف عورتوں اور لونڈیوں میں جو فرق قائم کیا جاسکتا ہے وہ اس سے کسی طرح کم ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ منہ ڈھانک کر باہر نکلیں۔ لیکن اگر اذوق و برہاد سے جائیں اور عورتوں کو بغیر ڈولی یا سواری کے گھر سے نکلنے کی اجازت ہی نہ دی جائے تو اس سے قرآن مجید کی مخالفت نہ ہوگی بلکہ یہ اُس فرق کی اعلیٰ مہتم ہوگی جس کا ادنیٰ درجہ قرآن مجید پر قرار دیا ہے کہ

”شریف عورتیں گھر سے گھونگھٹ نکال کر نکلا کریں“

لیکن جب تمدن کی وسعت کی بنا پر گھروں میں بیت الخلا بن گئے تو راتوں کو بھی عورتوں کے نکلنے کی مانفت کر دی گئی، چنانچہ علامہ قسطلانی بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ان يتبرزن النساء الى الباز	عورتوں کو پیشہ باہر نکلنے کی اس وجہ سے
كان اولاً لعدم الكنيف في	اجازت تھی کہ مکانات میں پاخانے نہ تھے
البيوت وكان غصّة لهن	لیکن جب گھروں میں پاخانے بن گئے
ثولما اتخذت الكنيف في البيوت	تو ان کو گھروں سے نکلنے کی مانفت
منع من الخروج منها الا	کر دی گئی جب نہ وقت ضرورت

عند الضرورت - کے -

لیکن ضرورتاً گھر سے باہر نکلنے کے لئے بھی چند خاص پابندیوں کا حکم دیا گیا۔

وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن
و یمحضطن فروجهن ولا یدین
زینتھن الا ما ظہر منها ولیقربن
بجھرھن علی جیوھن ولا یدین
زینتھن الا لبعولتھن ا و ابائھن
ا و اباء لبعولتھن ا و ابنائھن ا و
ابناء لبعولتھن ا و اخوانھن ا و بنی
اخوانھن ا و نسائھن ا و ما ملکت
ایمانھن ا و التابعین غیر اولی
الاربۃ من الرجال ا و الطفل
الذین لہ یمظہر ا علی عورات النساء
ولا یضربن با رجلھن لیعلم ما یخفی
من زینتھن وتولوا الی اللہ جمیعاً
ایہا المؤمنون لعلکم یفلحون -

اے پیغمبرِ سلمان عورتوں سے کہدو کہ اپنی نظر میں نیچی
رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور
اپنے زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو
اس میں سے چارہ یا چار کھلا رہتا ہے اور اپنے
سینوں پر دوپٹوں کے گل مارے ہیں۔ اور اپنے
زینت کے مقامات کو بجز اپنے شوہروں کے یا اپنے
باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنے
لڑکوں کے یا اپنے شوہروں کے لڑکوں کے یا اپنے
بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنی اہلِ جل کی
عورتوں کے یا اپنی لونڈی غلاموں کے یا بے غرض
خدمتگزاروں کے یا ان لڑکوں کے جو عورتوں کی
پردہ کی بات سے واقف نہیں اور کسی کے سامنے نہ
کھولیں اور زمین پر اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ چھپے
ہوئے زیور کی جھجھکاہٹ معلوم ہو اور خدا کے سامنے
اے مسلمانو توبہ کرو شاید تم کا میاب ہو جاؤ۔

صرف بوڑھی اور کبیر السن عورتوں کو اس قدر اجازت دی گئی کہ وہ غیروں کے سامنے دوپٹہ اور چادر اتار سکتی ہیں۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ

لیکن یہ حکم بھی اس قید کے ساتھ مقتید کر دیا گیا کہ اس کا مقصد زیب و زینت کا اظہار نہ ہو ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گی۔

یعنی یہ اجازت اُس وقت ہے جب غیروں کے سامنے بے پردہ ہونے کا مقصد اظہار زیب و زینت نہ ہو۔

لیکن اگر یہ عورتیں غیروں کے سامنے اس حد تک بھی بے پردہ نہ ہوں تو یہ اُن کے لئے اور بھی بہتر قرار دیا گیا۔

وَإِنْ يَسْتَعْظَمْنَ بِخُيُوفِهِمْ فَهِيَ خَيْرٌ

اگر وہ عفت کے خیال سے غیروں کے سامنے چادر وغیرہ کا اتارنا چھوڑ دیں تو یہ اُن کے لئے اور بھی بہتر ہے۔

اس طور پر بوڑھی عورتوں کے مستثنیٰ کرنے کے بعد جیسا کہ علمائے تصریح کی بے پردے کے چار درجے قرار پائے۔

الاول الامر باسقاء الحجاب يدل
 عليه قوله تعالى اذا سئلتوهن
 متاعاً -
 پہلا حکم عروں اور عورتوں کے درمیان ایک پردہ
 ڈالنے کا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اذا
 سئلتوهن متاعاً الخ

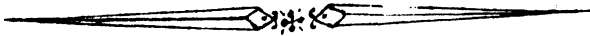
الثاني هو الامر بستر وجوههن يدل
 عليه قوله تعالى يا ايها النبي قل
 لذواتك ولبنتك -
 دوسرا حکم عورتوں کے منہ چھپانے کا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ
 فرماتا ہے يا ايها النبي قل لذواتك ولبنتك ولساء المؤمنات
 يدنين عليهن من جلابيقهن - الخ

الثالث هو الامر بمنعهن عن الخروج
 من البيوت يدل عليه قوله تعالى
 وقران في بيوتكن -
 تیسرا حکم گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت میں
 ہے کیوں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ”وقران
 في بيوتكن“

الرابع هو الامر بستر شجھهن
 عند الخروج من البيوت بضرمة
 شرعية يدل عليه قول تعالى
 قل للمؤمنات يغضضن اَبصارهن
 بوضوء شرعية -
 چوتھا حکم بضرورت شرعیہ مکان سے باہر
 نکلنے کے وقت بدن چھپانے کا ہے کیوں کہ خدا
 فرماتا ہے - قل للمؤمنات يغضضن من
 ابصارهن -

ان احکام میں دوسرا اور تیسرا حکم تمام عورتوں کے لئے عام ہے البتہ پہلا اور تیسرا
 حکم از روئے قرآن ازواجِ مطہرات کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن اگر تمام عورتیں ان
 دونوں احکام کی پابندی بھی کریں تو یہ ان کے لئے بوجہ تلبیع سنت ازواجِ مطہرات
 اور بھی افضل ہوگا چنانچہ خود عہد رسالت ہی میں عورتوں نے اس کی پابندی شروع

کر دی تھی ابو داؤد میں روایت ہے کہ پہلے اہل عرب کے دروازوں پر پردے
 نہیں لٹکائے جاتے تھے ایسے سوال لفظی لفظی علم جب کسی کے دروازے پر جاتے
 تو سامنے کھڑے ہو کر سلام نہیں کرتے تھے لیکن بعد کو دروازوں پر پردے بھی لٹکائی
 گئے (جیسا کہ اس زمانے میں رواج ہے)



پردہ اور حدیث

پردہ کے متعلق جیسا کہ اوپر گزر چکا اگرچہ اکثر جزئیات کی تحدید و تعین خود قرآن مجید ہی نے کر دی تھی لیکن اور جو جزئیات رہ گئے تھے اُن کو احادیث میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔

پردہ کے متعلق سب سے پہلی بات یہ ہے کہ عورت کا گھر میں مقید رہنا بہتر ہے یا گھر سے باہر نکلنا؟ جہاں تک دیکھا جاتا ہے احادیث میں عورت کو خانہ نشینی کی ترغیب دی گئی ہے اور اُس کی فضیلت بیان کی گئی ہے ترمذی اور بزار نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے۔

إِنَّ الْمَرْأَةَ عَوْرَةٌ فَإِذَا أُخْرِجَتْ
مِنْ بَيْتِهَا اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ وَ
أَقْرَبَ مَا تَكُونُ مِنْ شَرِّ حَسَةِ رَأْيِهَا
وَهِيَ فِي فُتْرٍ بَيْنِيَّيَا۔

عورت مجسم چھپانے کی چیز ہے وہ جب گھر سے
نکلے تو شیطان اُس کو جھانکتا ہے وہ اپنے خدا
کی رحمت سے سب سے زیادہ قریب اس وقت
ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے اندر رہتی ہے۔

اسلام میں جہاد افضل الاعمال ہے لیکن ایک بار جب عورتوں نے بارگاہ نبوت میں
عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا عمل ہے جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت
حاصل کر سکتے ہیں تو ارشاد ہوا۔

مَنْ فَقَدَتْ مِنْ كُنْتِ فِي بَيْتِهَا نَأْتَهَا
تَأْمِرُكَ عَمَلِ الْجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ
تم میں جو عورت گھر میں بیٹھی رہے گی وہ
مجاہدین کے عمل کا ثواب پائے گی۔
اللہ تعالیٰ۔

آپ نے نماز کے لئے اگرچہ عورت کو مسجد میں جانے کی اجازت دی۔ لیکن اُس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ عورت کے لئے بہترین مسجد اُن کی کوٹھری کا اندرونی مکان ہے۔ اس کے بعد پردہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ عورت غیر محرم مرد سے تنہا مل سکتی اور میل جول پیدا کر سکتی۔ یہ یا نہیں؟ تو اس کے متعلق احادیث میں خانہ نشینی سے بھی زیادہ سخت احکام آئے ہیں عورت گھر سے خاص خاص حالتوں میں خاص خاص پابندیوں کے ساتھ توکل بھی سکتی ہے۔ لیکن اُس کو غیر مردوں کے ساتھ میل جول اور تنہا ملاقات قطعاً جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے۔

لَا يَخْلُوْنَ رَجُلٌ بِأَمْرٍ آخٍ إِلَّا مَعَ ذِي
نَحْرٍ
بغیر کسی محرم مرد کی موجودگی کے کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ ملے۔

اس پر بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ دیور بھی بھاوج کے پاس نہیں جاسکتا، ارشاد ہوا کہ دیور تو بھاوج کی موت ہے۔

صرف مرد اور عورت کے تخلیہ ہی کی ممانعت نہیں کی گئی بلکہ راستہ میں بھی مرد کو دو عورتوں کے بیچ میں چلنے سے روکا گیا۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔

هَي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو دو عورتوں

أَنْ يَمْشِيَ الرَّجُلُ بَيْنَ الْمَوَاتِينِ۔ کے درمیان چلنے سے منع کیا۔

ایک بار لوگ نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو راستہ میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کشمکش ہوئی اس پر آپ نے عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

إِسْتَأْخِرْنَ فَلَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَخْفَضْنَ۔ پیچھے ہٹو۔ تم کو نیچے راستہ سے نہیں چلنا چاہیے
الطَّرِيقَ عَلَيْكُنَّ جِافَاتِ الطَّرِيقِ۔ راستہ کے کنارے سے چلنا چاہیے۔

اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ عورتیں راستے کے کنارے کی دیواروں سے اس قدر لگ کے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں میں لپٹ جاتے تھے۔ ان دونوں باتوں کے ثابت ہونے کے بعد صرف یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ عورت کو گھر میں یا گھر کے باہر تشر کی کس قدر پابندی کرنی چاہیے۔

تو اس کے متعلق احادیث میں صاف تصریح ہے کہ عورت نہ تو ایسا باریک کپڑا پہن سکتی جس سے اُس کا جسم نمایاں ہو اور نہ وہ اپنے گھر سے باہر کسی دوسری جگہ پر بہنہ ہو سکتی ہے چنانچہ ایک بار حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باریک کپڑے پہن کے آئیں تو آپ نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا۔

يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْحَيْضَ۔ اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو مناسب کہ یَضِلُّ أَنْ يُرَى مِنْهَا الْآهَذَا هَذَا۔ نہیں کہ اس کے اور اُس کے سوا دیکھ رہے اور
وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَّهَ۔ ہتھیلی کی طرف اشارہ کیا، اُس کا کوئی حصہ

بدن کا دیکھا جائے۔

اس قسم کی عورتوں کی نسبت جو باریک کپڑے پہنتی ہیں جن سے اچھی طرح ستر نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا۔

كَاسِبَاتٌ عَاثِرَاتٌ - یہ باوجود لباس پہننے کے نگلی ہوتی ہیں۔

گھر سے باہر عورتوں کے برہنہ ہونے کی جگہ حرام تھی، اس لیے آپ نے عورتوں کے لیے حرام میں جانا حرام قرار دیا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

أَتَحَامُ حَرَامٌ عَلَى نِسَاءٍ مُتَمَتِّئٍ حَامٍ سِیرِ اُمّت کی عورتوں پر حرام ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تَهَارَى عورتوں میں سے جو عورت خدا پر اور رُزق قیامت پر ایمان لائی ہے وہ حرام میں نہ داخل ہو۔

ایک بار حضرت عائشہ کے سوال پر آپ نے فرمایا
مَسْكُونٌ بَعْدَ حَيْضَاتٍ وَلَا خَيْرَ مِثْرَةٍ بَعْدَ حَمَامَاتٍ ہونگے اور عورتوں کے لیے
فِي الْحَمَامَاتِ لِلنِّسَاءِ حَمَامَات میں بھلائی نہیں ہے۔

اس پر حضرت عائشہ نے کہا کہ وہ حماموں میں تہ بند باندھ کے غسل کریں تو کیا مرج ہے۔

فرمایا کہ

لَا وَاَنْ دَحَلْتَهُ بِاَنَا يَدُ دَعِجٍ وَخَافٍ نہیں وہ حمامات میں تہ بند کرتے اور دھپٹے اور صکر بھی نہیں

جاسکتیں۔

(ایک بار کچھ شامی عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا تم لوگ حماموں میں جاتی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کے گھر سے باہر اپنے کپڑے اتارتی ہے وہ اُس پردے کو جو اس کے اور خدا کے درمیان ہے چاک کر دیتی ہے ۔)



استنار صحابہ اور پردہ

قرآن و حدیث میں حجاب، تستر اور شرم و حیا کا جو حکم دیا گیا ہے اُس کے مخاطب اول صحابہؓ و صحابیات تھیں اس لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے خود اخلاقاً و شرعاً اس پر کس قدر عمل کیا اور کس طرح ان احکام کی پابندی کی ان امور کے متعلق روایتیں نہایت صاف و مصرح موجود ہیں اس لیے ہم کو مقدّمات قائم کر کے نتائج نکالنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ اُن روایتوں کا نقل کر دینا کافی ہوگا۔ روایت ہے کہ جب عورتوں کو گھونگھٹ نکال کر باہر نکلنے کا حکم دیا گیا اور یہ آیت یٰدِّیْنِ عَلَیْھُمْ مِّنْ جَلَادٍ پڑھی۔ اپنے منہ پر عورتیں اپنی چادریں ڈال لیں۔

نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں جس طرح اپنے چہروں کو ڈھانک توپ کر نکلیں۔ اُس کی تصویر حضرت اُم سلمہؓ نے اِن الفاظ میں کھینچی ہے

خروج نساء الانصار کان علی رؤسھن
الغربان من السکینۃ وعلھن البساتۃ
انصار کی عورتیں اس طرح سیاہ چادریں اوڑھ کر
وقار سے نکلیں گویا ان کے سروں پر کوسے
سودیلے پنہا۔ بیٹھے ہیں۔

حجاب کا جو حکم دیا گیا بلاتفریق و امتیاز تمام عورتوں نے اُس کی پابندی کی اور اس سے اُن کے مذہبی اور علمی مشاغل میں کسی قسم کا خلل نہیں آیا حضرت عائشہؓ سے مروی ہے رحمہاں نساء الانصار لم یکن خدا انصار کی عورتوں پر جسم کرے

الحجاب یُسنَعَن ان یتفقہن فی الدین پردہ اُن کے دینی مسائل میں تعلقہ کرنے سے مانع نہیں آیا۔

ابو القیس کی بیوی نے حضرت عائشہؓ کو دودھ پلایا تھا اس لیے وہ اُن کے گھر والوں کے سامنے ہوتی تھیں۔ لیکن حکم پردہ کے نازل ہونے کے بعد جب ابو القیس کے بھائی افلح حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو انھوں نے اُن کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی اور کہا کہ مجھ کو ابو القیس کی عورت نے دودھ پلایا ہے انھوں نے نہیں پلایا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اندر آنے کی اجازت دی اور کہا وہ تمہارے رضاعی چچا ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ منہ بولے بیٹے کو تمام وہی حقوق حاصل ہوتے تھے جو حقیقی بیٹے کو حاصل ہیں اس لیے وہ گھر میں بلا روک ٹوک جا سکتے تھے، حضرت ابو خلیفہؓ نے حضرت سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اس لیے ان کی بی بی ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ لیکن جب قرآن مجید نے اس رسم کو باطل کر دیا اور یہ آیت اذعوہم لا بائہم منہ بولے بیٹوں کو خود اُن کے باپ کا بیٹا کھ کر بلاؤ۔

نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ کی بی بی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ میں پہلے سالم کے سامنے ہوتی تھی لیکن اس آیت کے

۱۵ ایک دفعہ ایک ام المؤمنین کے گھر میں ایک مرد کی آواز آئی آپ نے پوچھا یہ کون ہے کسی نے کہا اُن کے رضاعی بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھی طرح سمجھو رضاعت بھوک کی حالت میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے

نازل ہونے کے بعد اب کیا ارشاد ہے فرمایا کہ تم اُن کو دودھ پلا دو وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے۔ اور اب تم ان کے سامنے ہو سکو گی۔

صحابیات پُردہ کی اس قدر پابند تھیں کہ سخت سے سخت مصیبت میں بھی اُن کے چہرے سے نقاب نہیں اُتر سکتی تھی ایک بار حضرت اُمّ خالدہؓ کے بیٹے نے ایک غزوہ میں شہادت پائی اُن کو خبر ہوئی تو چہرے پر نقاب ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اپنے بیٹے کی نسبت آپ سے سوال کیا اس پر صحابہؓ نے کہا کہ اس حالت میں نقاب پوش ہو کر آئی ہو۔ بولیں میرا لڑکا شہید ہوا ہے میری شرم و حیا شہید نہیں ہوئی ہے۔

ان پابندیوں کے بعد اگرچہ پردہ کے متعلق بہت زیادہ کدو کاوش کی ضرورت نہ تھی تاہم صحابہ کرام نے اس کے متعلق قدغنِ بلیغ کی اور ہر ممکن طریقہ سے صحابیات کی شرم و حیا اور عفت و عصمت کو محفوظ رکھا۔

۱۔ حضرت عائشہؓ کے سوا اور تمام ازواجِ مطہرات اس حکم کو حضرت حذیفہ کی بی بی کے لیے خاص کتی ہیں اور

اسی پر فقہا کا عمل ہے ۱۲



فقہاء اور علماء کی رائیں

پردہ کے متعلق جو آیات و احادیث اوپر گزری ہیں ان کے سب سے بڑے
 نکتہ دان صرف علماء اور فقہاء ہو سکتے ہیں، اس کے ساتھ قوم پرچوان کو اخلاقی حکمرانی
 کا حق حاصل ہے اس کے لحاظ سے بھی پردہ کے متعلق ان کی رائے سب سے
 زیادہ قابل وقعت اور قابل عمل ہو سکتی ہے خوش قسمتی سے ہمارے سامنے اس
 مسئلہ میں ان بزرگوں کے خیالات کا کافی ذخیرہ موجود ہے، جس میں انھوں نے
 فقہ، تاریخ اور حدیث و قرآن سے اس عقدے کو نہایت خوبی کے ساتھ حل کر دیا
 ہے۔ اس لیے ان کے خیالات کو ان ہی کے الفاظ میں اس موقع پر نقل کر دینا
 مناسب ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اگرچہ پردہ و تشتر کے متعلق نہایت آسانی سے بہ
 کثرت احکام مل سکتے ہیں۔ لیکن تمام فقہاء کے اقوال کا پیش کرنا باعث تطویل ہوگا
 اس لیے میں صرف اپنے ہندوستان کے چار مشہور و مقبول بزرگوں کے قول
 پیش کرنے پر اکتفا کرتی ہوں پہلا قول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (دہلوی)
 رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جن کے علم و فضل اور تبحر و کمال کو سب لوگ جانتے ہیں حضرت
 ممدوح اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

»مردوں کو عورتوں اور عورت کو مردوں کے دیکھنے سے فریفتگی پیدا ہوتی ہے

جو مفاسد کا سبب ہے، اس لیے حکمت کا مقتضایہ ہے کہ یہ دروازہ بند کیا جائے

اور چوں کہ انسانوں کی ضرورتیں مختلف ہیں اور لامحالہ ان کو ایک دوسرے سے ملنی کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے یہ ضروری ہوا کہ ضرورتوں کے اعتبار سے ممانعتِ نظر کے کئی درجے مقرر کیے جائیں، اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقے پردہ کے مقرر کیے۔ ایک تو یہ کہ عورت اپنے گھر سے بلا کسی ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو باہر نہ جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْمَرْءُ عَوْرَةٌ ۖ فَاِذَا خَرَجَتْ لِشَيْءٍ فَاَلْبَسْهُ الشَّيْطَانُ عورت چھپانے کی چیز ہے پس جب وہ گھر سے باہر ہوتی ہے شیطان اُس کو جھانکتا ہے یعنی فتنہ کے اسباب مہیا کرتا ہے۔

اس کے بعد لکھنؤ کے مشہور علمی خاندان کے سب سے بڑے عالم حضرت مولانا بھٹو کی تحقیق پڑھیے۔ اُنہوں نے اپنی کتاب ارکان میں اس بحث کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور چونکہ وہ ہمارے زمانہ سے قریب گزرے ہیں، اور ہمارے ملک کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے ان کا قول اس زمانہ کے لیے ایک قطعی فیصلہ ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں۔

عورتوں کو ضروری نہیں کہ وہ نماز کے لیے جماعت میں آیا کریں بلکہ اپنے گھروں میں پڑھا کریں، اس وجہ سے کہ جماعت کی غرض سے اُن کے نکلنے میں ایک فتنہ عظیم ہے۔

یہ وہ قول ہے جس پر فقہاء متاخرین نے اس وقت فتویٰ دیا ہے۔ جب

اہل زمانہ کے فساد کو دیکھا اور اسی پر اب بھی فتویٰ ہے ہمارے ائمہ ثلاثہ
 (امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ، امام محمدؒ) نے بھی جو ان عورتوں کو جماعت
 میں حاضر ہونے کی ممانعت فرمائی ہے (جن سے فتنہ کا خوف تھا) امام ابو حنیفہؒ
 نے بڑھی عورتوں کے لیے مغرب عشا اور فجر کو جماعت میں حاضر ہونا جائز رکھا
 ہے کیونکہ اس وقت فتنہ کا خوف نہیں ہوتا اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ فساق یعنی
 جن لوگوں سے فتنہ کا اندیشہ ہے وہ اس وقت کی جماعت میں کم ہوتے ہیں۔
 امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے بڑھی عورتوں کا ہر نماز میں حاضر ہونا جائز رکھا
 ہے۔ اس لیے کہ بڑھی عورتیں محل فتنہ نہیں ہوتیں۔ یہ مذکورہ بالا تجویز صرف
 ائمہ ثلاثہ کے زمانہ کے لیے تھی اب ہمارے زمانہ میں اہل زمانہ کے خرابی اخلاق
 کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کے میل جول میں فتنہ کا اندیشہ زیادہ بڑھ گیا ہے
 فتح القدیر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے صحیح میں مروی ہے، بے شک اگر رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کو جو عورتوں نے ان کے بعد پیدا کی ہے دیکھتے تو
 جماعت میں حاضر ہونے سے اسی طرح منع فرمادیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی
 عورتیں روک دی گئی تھیں، پھر ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

۱۵ کیوں فتنہ کا خوف نہیں ہوتا اس لیے کہ اندھیرے کی وجہ سے اُن کے لباس وغیرہ
 صاف نظر نہیں پڑتی جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ صحابیات صبح کی نماز میں شریک ہوتی
 تھیں تو تاریکی کی وجہ سے پہچان نہیں پڑتی تھیں ۱۶

فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔ لیکن عورتوں کے لیے ان کے گھر مسجد سے بہتر ہیں اب اس بات کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک باوجودیکہ احتمالِ فتنہ سے بہت بےید تھا۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ اولیاء اللہ تھے آپ نے صحابہ کرامؓ کو ممانعت فرمادی کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکیں مگر اسی مبارک زمانہ میں کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جماعت میں آنا ساقط فرمادیا۔ اور ان کی نماز کے لیے گھر کو بہتر قرار دیا۔ ان کے گھر کی نماز کو جماعت کی نماز سے افضل بتایا تو اب اس زمانہ کی نسبت جو درحقیقت فتنہ و فساد کا ہے تمہارا کیا گمان ہے (میرے نزدیک تو) یہ زمانہ (اُس زمانہ سے) زیادہ سختی ہے کہ اس میں عورتوں کے ذمہ سے جماعت ساقط کر دی جائے اور (میرے خیال میں) اس زمانہ کے لیے یہ زیادہ مناسب ہے کہ عورتوں کو جماعت میں جانے سے بالکل روک دیا جائے۔ کیونکہ عورتوں پر جماعت کی حاضری نص سے ثابت نہیں اور غامق قواعد شرعی کے بموجب فتنہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

اب وہ حکم جو عورتوں کے باہر جانے سے (یعنی جماعت میں حاضر ہونے سے) نہ روکنے کا صادر کیا گیا تھا ساقط ہو گیا۔ کیونکہ عدمِ احتمالِ فتنہ جو دراصل علتِ حکم تھا ختم ہو گیا۔ اسی طرح جیسے مؤلفۃ القلوب کا حصہ مالِ غنیمت میں ساقط ہو گیا (چنانچہ حضرت عائشہؓ ام المؤمنینؓ کے اُس قول کے معنی جو اوپر مذکور ہوئے

یہی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ مبارک میں اس حالت کو ملاحظہ فرماتے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گئی ہے تو بہرگز عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت نہ دیتے۔ اس تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتنہ ہوتا تو باہر نکلنے کی اجازت اُس زمانہ میں (بھی) نہ ہوتی پس اب اس زمانہ میں اُن کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ہم نے اپنی گفتگو اس وجہ سے طول دیا کہ بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ فقہاء متاخرین نے اپنی توجہات سے حکم صریح کو باطل کر دیا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ حاکم تو اللہ تعالیٰ ہے اور جس وقت اس نے حکم دیا تھا اس حالت کو بھی جو اب عورتوں نے پیدا کر لی ہے جانتا تھا پس حضرت اُم المؤمنینؓ کے قول کے لیے کوئی دلیل نہیں معلوم ہوتی لیکن ان لوگوں کا یہ خیال جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں صحیح نہیں ہے۔ بے شک حاکم اللہ ہے اور کوئی نہیں ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی مسلم ہے کہ عورتوں کی اس جدید حالت کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو تھا۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا وہ حکم جو اُس کے رسول کی زبان سے عورتوں کے باہر نکلنے کے متعلق صادر ہوا ہے زمانہ عدم احتمال فتنہ تک کے لیے محدود تھا۔ چونکہ اب یہ زمانہ باقی نہیں رہا۔ اس لیے یہ حکم بھی باقی نہیں رہا اُم المؤمنینؓ کا مقصود یہ ہے کہ اگر آنحضرت معلم کے زمانہ مبارک میں عورتیں وہ حالت پیدا کرتیں جو اب کی ہے تو آنحضرت صلی

اُن کے نکلنے کا حکم بھی نہ فرماتے۔ اس لیے کہ وہ شرط نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا۔ بلکہ خود حکم خداوندی سے عورتوں کو خروج سے منع فرمادیتے۔

مولانا بحر العلوم کی یہ بحث دراصل ہماری شریعت کے اس باریک نکتہ پر مبنی ہے کہ جو احکام منصوص نہیں ہیں، بلکہ شارع نے خاص خاص مصالح کو سامنے رکھ کر اُن کے متعلق دیے ہیں، اور اُن کو ہمارے لئے مباح و جائز کیا ہے پہر جب وہ مصالح بدل جائیں اور وہ حالت باقی نہ رہے تو وہ اباحت و جواز بھی باقی نہیں رہے گا۔ اسی قسم کے حکم میں پردہ کا حکم بھی ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی نسبت فرمایا تھا کہ ”اگر وہ مسجدوں میں آنے کی اجازت مانگیں تو روکو۔“ پھر حضرت عائشہؓ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جیسا جیسا فتنہ بڑھتا گیا اُن کا مسجدوں میں آنا ناگوار معلوم ہونے لگا۔ اور ان کو مسجدوں میں آنی کی ممانعت کر دی گئی۔ البتہ اگر کہیں خوفِ فتنہ نہ ہو، اور ایسی صورتیں پیدا ہو جائیں کہ فتنہ سے حفاظت ہو سکے تو اصلی اجازت علیٰ حالہ باقی رہے گی، اور شریعت کے مطابق جس قدر حکم ہے اور جن شرائط و قیود کے ساتھ وہ جواز ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پردہ کا حکم اگر قرآن، احادیث، اور آثارِ صحابہ سے نہ ثابت ہوتا تب بھی اس اصول کے مطابق کہ فتنہ سے بچنا اور موافقت سے اجتناف کرنا نصِ شرعی ہے پردہ کا حکم دیا جاسکتا تھا۔ لیکن جب خود قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہ سے

پردہ کا حکم ثابت ہے اور اصل موجودہ بھی اس کی پابندی پر مجبور کر رہی ہیں تو اس کی لازمی پابندی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شبلی مرحوم جو تاریخی حیثیت پر دے کے متعلق رائے دینے کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں ”الندوہ“ میں ”پردہ اور اسلام“ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

یورپ کی عامیانه تقلید نے ملک کے لیے جو نئے مباحث پیدا کر دیے ہیں ان میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر صرف عقلی پہلو سے بحث کی جاتی تو ہلکو دخل در عقولات کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود مذہب اسلام میں پردہ کا حکم نہیں اور اس سے بڑھ کر یہ قرون اولیٰ میں پردہ کا رواج بھی نہ تھا نئے تسلیم یافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف مولوی امیر علی نے ۱۸۹۹ء میں رسالہ ”نائن ٹین سینچری میں مسلمان عورتوں کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

”یہ لمبا برقع، نقاب اور خمار بلجیوں کے آخری زمانہ میں شائع ہوا اور جس قسم کا پردہ آج کل مسلمانان ہند میں رائج ہے خلفائے کے زمانے میں اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا بلکہ برعکس اس کے اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں۔ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں جب خلفاء ضعیف ہوئے اور تاتاریوں نے اسلامی حکومت کو درہم و برہم کیا تو اس وقت علما میں اس پر نزاع ہوئی کہ عورتیں اپنے ہاتھ، منہ اور پاؤں اجنبیوں کے سامنے کھول سکتیں ہیں یا نہیں“

اس موقع پر عبرت کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مسائل کی تعبیر کرنے والے دیگر وہ ہو سکتے تھے علماء قدیم اور جدید تعلیم یافتہ۔ علماء کا یہ حال ہے کہ ان کو زمانہ کی موجودہ زبان میں بولنا نہیں آتا۔ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے مبلغ علم کا اس عبارت سے اندازہ ہو سکتا ہے جو ابھی اوپر گذر چکی ہے۔ لیکن قیمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پرفصہ کرتا جاتا ہے۔ اور چونکہ غیر قوموں کے کانوں میں صرف اسی گروہ کی آواز بچو بچتی ہے۔ اس لیے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آئندہ زمانہ میں اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائے گی۔ ہم اس مضمون میں صرف تاریخی پہلو سے بحث کرتے ہیں۔ اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عرب میں اسلام سے پہلے پردہ کی کیا حالت تھی۔ پھر تمام اسلامی دنیا میں پردہ کے متعلق کیا طرز عمل رہا۔

مدت ہوئی ہم نے اس مضمون کے پہلے حصہ پر ایک بسیط مضمون لکھا تھا پہلے اس کو بعینہ اس مقام پر درج کرتے ہیں۔ ”اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو بعض خصوصیتوں میں ایک دوسرے سے ممتاز پیدا کیا ہے لیکن تمدن نے ان قدرتی خصوصیتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے امتیاز قائم کر دیے ہیں جو ہر قوم ہر فرقہ اور ہر ملک میں جدا جدا صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ دنیا کے نہایت ابتدائی زمانہ میں غالباً مردوں اور عورتوں کے لباس، وضع، طور، طریقے بالکل یکساں رہے ہوں گے۔ اور پھر قدرتی خصوصیتوں کے کوئی چیز ان کو ایک دوسرے سے جدا کر سکتی ہوگی۔ لیکن تمدن کو جب قدر و وسعت ہوتی گئی۔ اسی قدر یہ باہمی امتیازات

بڑھتے گئے رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ آج دونوں کے طلاق تمدن اور معاشرت میں بہت کم چیزیں باقی رہ گئی ہیں جو مشترک کہی جاسکتی ہیں۔

دنیا کی ابتدائی تاریخ بالکل تاریکی کی حالت میں ہے قدیم سے قدیم زمانہ جس کے تاریخی حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ دو تین ہزار برس سے زیادہ نہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب موجودہ تفرقوں کی بنیاد پڑ چکی تھی اور دونوں فریق کے اصول زندگی میں بہت سی ممتاز خصوصیتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ اس لیے یہ پتہ لگانا قریب ناممکن ہے کہ اول کن اسباب سے یہ تفرقے قائم ہوئے اور جس زمانہ کو ہم اپنے علم تاریخ کی ابتداء قرار دیتے ہیں اس وقت تک کیونکر ان تفرقوں نے وسعت حاصل کر لی تھی۔

اگر ہم بتانا چاہیں کہ انسان کو ستر عورت کا خیال کیونکہ ہوا اور مردوں اور عورتوں میں اس کے مختلف حدود کس بنا پر قرار دیے گئے۔ تو ہم کوئی کافی وجہ نہیں بتا سکیں گے اسی طرح اور خصوصیتوں کی نسبت بھی ہم کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ اس لیے نہایت قدیم تفرقوں کی تاریخ قائم کرنی اور ان کے وجوہ اسباب پر غور کرنا بے فائدہ ہے۔ البتہ جو امور زمانہ مابعد میں پیدا ہوئے ان کے متعلق تحقیقات کی کوشش کرنی بیجا نہیں ہے۔

پہلے وہ کی دو قسمیں قرار دی جاسکتی ہیں۔

(۱) چہرہ اور تمام اعضا کا ڈھانکنا۔

(۲) مردوں کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک ہونا۔

پہلی قسم کا پردہ عرب میں اسلام سے پہلے موجود تھا۔ اور زیادہ تر متدرستی ضرورتیں اس کے ایجاد کا باعث تھیں۔ اول اول جب اس رسم کی ابتدا ہوئی تو غورتوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی کیونکہ زیادہ تر اس کو قدرتی ضرورتوں نے پیدا کیا تھا۔ اور وہ مرد اور عورت سے یکساں متعلق تھیں غالباً سب سے پہلے قبیلہ حمیر میں جو یمن کے رہنے والے اور وہاں کے حاکم تھے۔ یہ طریقہ جاری ہوا۔ اسپین میں حمیر کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہو گئی تھی جو ملشین کہلاتی تھی۔ اس خاندان نے نہایت زور اور قوت کے ساتھ حکومت کی اور بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن چہرہ پر ہمیشہ نقاب ڈالے رہتے تھے اور اس وجہ سے ملشین کہلاتے تھے۔ اس میں یوسف بن تاشفین بڑی ہیبت و جبروت کا بادشاہ ہوا۔ علامہ ابن خلکان نے اسی کے ترجمہ میں اس رسم کے قائم ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے و سبب ذلک علی ما قبل ان حمیر کانت تتلشم لشدۃ الحمر والبر و تفعلہ الخواص منهم فلکثر ذلک حتی تفعلہ عامتهم۔ اس کا سبب جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ قبیلہ حمیر گرمی اور سردی کی وجہ سے چہروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔ پہلے خواص ایسا کرتے تھے۔ پھر اس کو اس قدر ترقی ہوئی کہ تمام قبیلہ میں اس کا رواج ہو گیا۔

علامہ موصوف نے ایک اور سبب بھی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ قبیلہ حمیر کی مخالف ایک قوم تھی جس کا معمول تھا کہ جب حمیر والے کسی ضرورت سے باہر جاتے تھے

تو یہ لوگ اُن کے گھروں پر حملہ کرتے تھے اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے جاتے تھے مجبور ہو کر اہل حمیر نے یہ تدبیر سوچی کہ ایک دفعہ عورتیں مردانہ لباس پہن کر باہر چلی گئیں اور مرد چہروں پر نقاب ڈال کر گھروں میں رہے۔ دشمنوں نے معمول کے موافق حملہ کیا تو یہ لوگ نقاب ڈالے ہوئے نکلے اور نہایت دلیری سے لڑ کر دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ میں نصیب ہوئی تھی اس لیے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کر لی گئی۔ یہاں تک کہ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کے مرد اور عورت یکساں نقاب پوش رہتے تھے۔ ایک شاعر نے لکھا ہے۔

لما حودا الحرا ذکل فضیلة جب اُن لوگوں نے تمام خوبیوں کو اپنی ذات میں جمع کر لیا۔
 غلب الحیاء علیہم فتلّموا تو حیا اُن پر غالب ہو گئی اس لیے وہ نقاب پوش ہو گئے
 بعض اور اتفاقی امور سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ مثلاً جو لوگ حسین اور خوشرو ہوتے تھے اس خیال سے کہ نظر بد سے محفوظ رہیں چہرے پر نقاب ڈال کر باہر نکلتے تھے۔
 اس کی مثالیں زمانہ اسلام میں بھی ملتی ہیں۔

مقنع کندي جو دولت بنو امیہ کا مشہور شاعر ہے۔ اسی خیال سے ہمیشہ نقاب ڈال کر باہر نکلتا تھا رفتہ رفتہ یہ طریقہ زیادہ تر مروج ہو گیا اور بڑے مجبوروں میں اکثر لوگ برقع پہن کر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ بازار عکاظ میں جو عرب کی حوصلہ افزائیوں کا مشہور دنگل تھا۔ اہل عرب عموماً چہروں پر نقاب ڈال کر آتے تھے۔ علامہ احمد ابن ابی یقوب جو نہایت قدیم زمانہ کا مورخ ہے اپنی تاریخ میں

لکھا ہے۔

وكانت العرب يحضر سوق عكاظ وعلى وجوهها البراق فيقال
ان اول عربي كشف قناعه ظريف بن غنم الغبري ففعلت العرب
مثل فعله۔

یعنی اہل عرب عکاظ کے بازار میں آتے تھے اور ان کے چہروں پر برقع پڑے
ہوتے تھے کہتے ہیں کہ اول جس عربی نے برقع اتارا وہ ظریف بن غنم تھا۔
اُس کے بعد اوروں نے بھی اُس کی تقلید کی۔

گو بعض وقتوں میں خاص اسباب اس طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث ہوئے
لیکن اصل میں جس چیز نے اس طریقہ کی بنیاد قائم کی تھی وہ دو امر تھے۔

(۱) جسمانی حفاظت جس کا ذکر حمیر کے ذکر میں ہو چکا۔ حمیر میں تو عام و خاص سب
اس طریقہ کو بستے لگے تھے۔ لیکن اور قبائل میں یہ طریقہ امرا اور اعیان کے ساتھ
مخصوص تھا۔ کیونکہ اس قسم کے تکلف اور آرام طلبی کی خواہش صرف امیروں
ہی کو ہو سکتی ہے۔ رفتہ رفتہ ضرورت کی قید اٹھ گئی۔ اور صرف اس خیال سے کہ
نقاب اور برقع امرا کا امتیازی لباس ہے بے وجہ اور بے ضرورت بھی اس کا
استعمال ہونے لگا۔

(۲) امتیاز اور خصوصیت کا خیال۔ یہ خیال تدریج کے ساتھ قائم ہوا اہل عرب
محض ابتدائی زمانہ میں تو امیر و غریب سب ایک ہی حالت میں رہتے تھے۔ لیکن

جس قدر تمدن کو ترقی ہوتی گئی اسی نسبت سے امتیازات قائم ہوتے گئے۔ ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ امر اور سردارانِ قوم کے دربار عام نہ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ جاہلیت ہی کے زمانہ میں دربان اور حاجب کے عہدے قائم ہو چکے تھے۔ اور سلاطین اور سردارانِ قبائل کے دروازوں پر اس قسم کی روک ٹوک ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ خیال یہاں تک بڑھا کہ بادشاہ دربار میں بھی بیٹھے تو اس کے جمال کی دولت عام نہ ہونے پائے۔ چنانچہ بعض سلاطین عرب صرف اسی خیال سے برقع کا استعمال کرتے تھے۔

عباسیوں کی خلافت میں ایک زمانہ تک جو یہ طریقہ تھا کہ خلیفہ وقت ایک پردہ کی اوٹ میں بیٹھتا تھا اور تمام شاہی احکام پردہ کی اوٹ سے صادر ہوتے تھے۔ اس میں اسی خیال کا پرتو پایا جاتا ہے جس زمانہ میں اس طریقہ کی ابتدا ہوئی اُس وقت تو عورتیں اس رسم کے ساتھ مخصوص نہ تھیں۔ لیکن مردوں سے یہ التزام مالاہلزم نہ سکا۔ چنانچہ جب عکاظ میں ظریف بن غنم نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو تمام عرب اس کے مقلد بن کر اس قید سے آزاد ہو گئے۔ کبھی کبھی کسی نے شوقیہ یا فخر کے لحاظ سے استعمال کیا تو وہ رواج عام کے خلاف سمجھا گیا۔ البتہ عورتوں میں یہ رسم اسلام کے زمانہ تک باقی رہی جس کو اسلام نے اور بھی باقاعدہ اور لازمی کر دیا۔ جس شخص نے عرب جاہلیہ کے حالات غور سے پڑھے ہیں۔ وہ تو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ عام خیال یہ ہے کہ پردہ کا رواج اسلام کے

زمانہ سے پیدا ہوا اس لیے ہم متعدد قطعی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوگا کہ اس قسم کا پردہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔

عرب جاہلیت کے حالات معلوم کرنے کے لیے سب سے عمدہ اور مستند ذریعہ شعرائے جاہلیت کے اشعار ہیں۔ اس لیے اس دعوے کے ثبوت میں ہم جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں۔

”رج بن زیاد عیسیٰ جو جاہلیت کا ایک مشہور شاعر ہے مالک ابن زبیر کے مرثیہ میں لکھتا ہے۔“

من کان مسروراً بمقتل مالک	فلأت نسوتنا بوجه تھاد
---------------------------	-----------------------

جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہے وہ ہماری عورتوں کو دن میں دیکھے۔

نجد النساء حواساً یبند بنہ	یلطمین اوجھن بالاسحار
----------------------------	-----------------------

وہ دیکھنا کہ عورتیں رہنہ سر نوہ کرتی ہیں اور اپنے چہروں پر صبح کو دو ہتر مار رہی ہیں

قد کرب یخبان الوجوہ لتترا	فالیوم حین برزن للنظاد
---------------------------	------------------------

وہ شرم اور ناموس سے ہمیشہ اپنا چہرہ چھپا کر تی تھیں لیکن آج (غیر معمولی طور سے) دیکھنے والوں کے سامنے بے پردہ آتی ہیں۔

علامہ تبریزی نے تشریح کی شرح میں لکھا ہے عقدہ حیا یعنی وہ عفت اور شرم کی وجہ سے چہرہ چھپا لیا کرتی تھیں۔

عمر و معدیکرب ایک سخت واقعہ جنگ کے ذکر میں لکھتا ہے۔

و بدت لمیس کا تھا	بدد السماء اذا بدی
اور لمیس کا چہرہ کھل گیا	گو یا چاند نکل آیا ہے
عمر و معدیکرب اگرچہ مخفّری شاعر ہے یعنی اس نے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا لیکن یہ اشعار اسلام کے قبل کے ہیں۔ ایک اور جاہلی شاعر جس کا نام سیرۃ بن عرفقعی ہے اپنے دشمنوں پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے۔	
ونسو تکم فی الروح باد وجوہھا	یخلن اماءً او الاماء حرائر
یعنی لڑائی میں تمھاری عورتوں کے چہرے کھل گئے تھے اور اس وجہ سے وہ لونڈیاں معلوم ہوتی تھیں حالانکہ وہ بیویاں تھیں۔	
نابغہ زبیرانی جزمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر ہے نعمان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا۔ ایک دفعہ نعمان کی ملاقات کو گیا۔ اتفاق سے وہاں نعمان کی بیوی جس کا نام تجردہ تھا بیٹھی تھی۔ نابغہ دفعتاً جاڑا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اضطراب میں ڈوٹا کر گیا۔ تجردہ نے فوراً ہاتھوں سے چہرہ کو چھپا لیا نابغہ کو یہ ادا نہایت پسند آئی۔ اسپر اس نے ایک قصیدہ لکھا جس میں اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے۔	
سقط النصیف ولم ترد استقاظھا	فتنا ولتہ اداقتنا بالید
دو پٹہ گر گیا اور اس نے قصد انہیں گرایا اس نے ڈوٹہ کو سنبھالا اور ہاتھوں سے پردہ کیا ایک اور شاعر عوف نامی بھی ذکر کے کہ بھوک کی شدت سے عورتیں نکل آئیں۔	

اور باہر جہاں کھانا یک رہا تھا چوڑے کے پاس بیٹھ گئیں۔ لکھتا ہے۔

وكانوا اعوداً حولها يرقونها وكانت فتاة احدى من تسيدها

وہ چوڑے کے پاس بیٹھ کر اس کی نگرانی کر رہی تھیں اور قبیلے کی چھو کر یاں اُس کو روشن کر رہی تھیں

مبصرة لا يجعل السرد وها اذا اخمد النيران لاح بشيرها

اُنکے چہرے کھلے ہوئے تھے اور اُنکے سامنے کوئی پردہ نہ تھا جب تک بجھ جاتی تھی تو وہ اُس کو جلاتی تھیں

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب نے زمانہ جاہلیت میں لباس کے متعلق بہت ترقی کر لی تھی۔ اگرچہ یہ ترقیاں صرف امرا اور سردارانِ قبائل تک محدود تھیں۔ لیکن جن لوگوں میں تھیں۔ پوری تہذیب و شائستگی کے ساتھ تھیں۔ عورتوں کے لیے لباس کے جو اقسام اس وقت تک ایجاد ہو چکے تھے وہ جسم کے ہر حصہ کے لیے بخوبی پردہ پوش تھے۔ لباسوں کا یہ تنوع زیادہ تر فخر و امتیاز کی بنا پر تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ عوام کا طبقہ اُس سے محروم تھا۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے عورتوں کے لباس کے متعلق دولت بنو امیہ اور عباسیہ کے عہد میں کوئی معتد بہ انصاف نہیں ہو یعنی زمانہ جاہلیت میں جس قدر لباس ایجاد ہو چکے تھے۔ اس سے زیادہ اقسام نہیں پیدا ہو سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ اور ستردن کا خیال جاہلیت ہی میں خوب زور پکڑ چکا تھا۔ عورتیں مختلف وضع کے کرتے استعمال کرتی تھیں۔ جنکی قسمیں سات آٹھ سے کم نہ تھیں اور اپنے اعتبار سے ان کے مختلف نام تھے۔ مثلاً درع، انب، قمر قل، صدر، محمول، شوزر، خمیل، ان میں

باہم بہت خفیت فرق ہوتا تھا۔ ان کی وضع مجرم، کمری، فتوحی، اور قیص سے ملتی جلتی تھی۔ اشعار جاہلیت میں قریباً یہ سب نام ملتے ہیں لیکن بہ لحاظ اقلول ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔ قصابہ، متنع وغیرہ بھی استعمال کیے جاتے تھے۔ ان کپڑوں کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے پہلے ایک رومال سر پر باندھا جاتا تھا۔ جس سے سر کے دونوں اگلے اور پچھلے حصے چھپ جاتے تھے۔ لیکن نیچے کا حصہ کھلا رہتا تھا۔ اُس کو خنق کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک اور رومال باندھتے جس سے یہ مقصود ہوتا تھا کہ بالوں میں تیل لگا ہو تو جذب ہو کر رہ جائے۔ اور دوپٹے میں نہ لگنے پائے۔ اس کا نام غفارہ تھا غفارہ کے اوپر مختلف طول عرض کے ڈیٹے استعمال کیے جاتے تھے جن کے یہ نام ہیں۔ صدار، خمار، اُنعیت، مقنعہ، معجر، ردا، خمار نہایت چھوٹا ہوتا تھا اُس سے بڑا نصیف اور نصیف سے بڑا مقنعہ و کذا خمار وغیرہ کو اکثر اس انداز سے اڑھتی تھیں کہ چہرہ کا اکثر حصہ چھپ جاتا تھا۔ اسی بنا پر شاعر کا قول ہے۔

سقط النصیف ولم تردا سقاطہ	فتنا ولتہ و اتقتا بالید
---------------------------	-------------------------

اُس کا دوپٹہ گر پڑا اور اُس نے قصداً اُس کو نہیں گرایا اُس نے دوپٹے کو بے حال لیا اور اپنے ہاتھوں پر دہ کر لیا

فخر علی الالاء لہ یوسد	وقد کانت الدما عله قمار
------------------------	-------------------------

وہ گر پڑا اور کسی چیز پر ٹیک نہیں لگائی۔ اور خون اُس کے چہرے کے لیے دوپٹہ بن گیا۔

لیکن خاص چہرہ کی حفاظت کے لیے برقع ہوتا تھا جس کی مختلف قسمیں

تھیں، جو صرف آنکھ تک کا ہوتا تھا اس کو وصوصاں کہتے تھے اس سے نیچا نقاب کھلاتا تھا۔ نقاب سے نیچا مقام اور اس سے نیچا لٹام کے نام سے موسوم تھا۔
 مقام کی حد ہونٹوں سے متجاوز نہ تھی سب سے بڑا نقاب جو چہرہ بلکہ سینہ کو بھی چھپاتا تھا اُس کو جہنہ کہتے تھے۔ نقاب کے یہ تمام اقسام جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے۔
 اور استعمال کیے جاتے تھے۔

اشعار ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ادین محاسننا و قمن اخری	و تقین الوصاوص للعیون
-------------------------	-----------------------

پہلے انھوں نے اپنا حسن دکھایا پھر اُس کو چھپا لیا۔ اور آنکھوں تک نقاب ڈال لیا۔

یضی لنا کالبدر تحت غمامہ	وقد ذل عن عراشنا یالفاھا
--------------------------	--------------------------

اُس نے اس طرح جلوہ آرائی کی جیسے بادل میں چاند اور ہونٹوں کے اوپر سے اُن کا نقاب ہٹ گیا۔

غرض لباس کا پردہ تمام عرب میں جاری تھا اور بحجز عوام اور کنیزوں کے تمام عورتوں میں اس کی پابندی تھیں۔

بعض بعض مثالیں اس رسم کے خلاف ملتی ہیں۔ مگر وہ نہایت شاذ ہیں۔ مگر دوسری قسم کا پردہ یعنی عورتوں کا مردوں کی سوسائٹیوں میں شریک نہ ہو سکنے کا زمانہ جاہلیت میں بالکل نہ تھا۔ عورتیں عموماً مجلسوں، بازاروں، لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں۔ بازار عکاظ میں جہاں شعر طبع آزمائیاں کرتے تھے۔ شاعر عورتیں جاتی تھیں۔ اور اُن کے مستقل دربار قائم ہوتے تھے

وہ عام مجمع میں قصیدے پڑھتی تھیں اور تحسین و آفریں کے صلے حاصل کرتی تھیں۔

ایک بار خنساء جو مرثیہ کہنے میں تمام عرب میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی عکاظ میں گئی۔ اور نابغہ ذبیانی کے سامنے جو اُس وقت اُستاد الشعر تھا۔ اپنا قصیدہ پڑھا۔ نابغہ نے کہا افسوس ابھی ایک شخص کو میں اشعر العرب کا خطاب دے چکا ہوں۔ ورنہ تجھ کو یہ خطاب دیتا۔ تاہم کہتا ہوں کہ تو عورتوں میں سب سے بڑی شاعرہ ہے۔ خنساء نے کہا نہیں۔ بلکہ میں اشعر الرجال والنساء ہوں۔

عام قاعدہ تھا کہ کسی گالوں میں کسی شاعر کا گزر ہوتا تو وہاں کی تمام عورتیں اس کے پاس آتی تھیں۔ اور شعر پڑھنے کی فرمائش کرتی تھیں۔ اور چونکہ وہ عموماً سخن فہم ہوتی تھیں۔ شعر ابھی بڑے ذوق سے اُن کو اپنے اشعار سناتے تھے۔ غرض مشاعرہ ہننا طرہ، میلہ بازار، دنگل، میدان جنگ کوئی ایسا مجمع اور مجلس نہ تھی۔ جس میں عورتیں بے تکلف شریک نہ ہوتی تھیں۔ یہ زمانہ جاہلیت کا حال تھا۔ اسلام کے زمانہ سے نیا دور شروع ہوا اس عہد میں جو تغیرات اور اصلاحیں ہوئیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اسلام نے سب سے پہلے اصلاح یہ کی کہ جاہلیت میں کرتہ سکے گریبان بہت چوڑے ہوتے تھے جن سے سینے نظر آتے تھے۔ اس پر ذی قعدہ ۳۵ھ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ولیضربننجرھن علی جیوبھن یعنی اور چاہیے کہ وہ اپنے

دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں عینی نے بخاری کی شرح میں اس موقع پر لکھا ہے۔

وذلك لان جيوهن كانت واسعة تبدلها نحو دهن وصدورهن
وما حوالها وكن ليدن النحر من وادهن فتبقى مكشوفة فامر بان يدلفها
من قدامهن حتى يغطينها۔ (ترجمہ) یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ ان کے گریبان
چوڑے ہوتے تھے جن سے ان کے سینے اور اس کے اطراف نظر آتے تھے اور وہ دوپٹوں
کو پشت کی طرف ڈالتی تھیں۔ اس لیے سینے کھلے رہ جاتے تھے۔ اس لیے ان کو حکم ہوا کہ
سامنے والیں تاکہ سینہ چھپ جائے۔

نقاب اور برقع کا طریقہ اگرچہ جیسا کہ ہم پھلے لکھ آئے ہیں پہلے سے جاری
تھا۔ لیکن مدینہ منورہ میں یہود کے اختلاط کی وجہ سے اس کا رواج کم ہو چلا تھا۔
اس لیے عورتیں اکثر کھلے منہ نکلتی تھیں۔ اس پر یہ آیت اُتری

يا ايها النبي قل لا ذوا جلت وبناتك
ونساء المؤمنين يدنين عليهن من
جلابهن۔
اے پیغمبر انبی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان
بیویوں سے کہدو کہ اپنے اوپر چادریں ڈال
لیا کریں یعنی چادروں سے اپنا منہ چھپالیا

(کریں۔)

اس آیت کے متعلق تین حیثیت سے بحث ہو سکتی ہے۔

آیت کا شان نزول کیا ہے؟

آیت کے معنی کیا ہیں؟

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کا طریق عمل کیا رہا۔؟
 شان نزول کے متعلق تفسیر ابن کثیر میں جو محدثانہ تفسیر ہے یہ تصریح ہے۔

کان ناس من فساق اهل المدينة
 مدینہ میں بدماشوں کا ایک گروہ تھا جو رات
 یخرجون باللیل حین یختلط الظلام الی
 کی تاریکی میں نکلتا تھا اور عورتوں کو چھیڑتا تھا
 طریق المدینة فیعرفون للنساء و
 مدینہ کے مکانات چھوٹے اور تنگ تھے، رات کو
 کانت مساکن اهل المدينة ضيقة
 جب عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں
 فان کان اللیل خرج النساء الی الطریق
 سے نکلتی تھیں تو یہ بدماش اُن سے بُرا راڈ
 یقضین حاجتھن فکان اولئک لفساق
 کرتے تھے جس عورت کو دیکھتے تھے کہ چادر
 یتبعون ذلک منھن فاذا راوا المرأة علیھا
 میں چھپی ہوئی ہے اُس کو شرعاً زادی سمجھ کر
 جلباب قالو ھذہ حرۃ نکفوا عنھا و اذا
 چھڑ دیتے تھے ورزہ کہتے تھے کہ یہ لونڈی
 واما المرأة لیس علیھا جلباب قالو ھذہ
 ہے اور اُس پر حملہ کرتے تھے۔
 اماتہ فوثبوا علیہا۔

طبقات ابن سعد جو نہایت قدیم یعنی تیسری صدی کی تصنیف ہے اس میں
 بھی یہی شان نزول لکھا ہے چنانچہ اُس کے الفاظ یہ ہیں۔

کان رجل من المنافقین یمتعرض
 ایک منافق تھا جو مسلمان عورتوں کو چھیڑتا تھا
 نساء المؤمنین یوذیھن فاذا قیل لہ
 تو جب اس سے کہا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے

قال كنت احبها امة فامرهن الله اُس کو لوٹدی سمجھا تھا۔ اس بنا پر خدا نے حکم
ان يخالفن ذی الاماء ویدنین علیھن دیا کہ لوٹدیوں کی وضع نہ بنائیں۔ اور اپنے
من جلا بیھن اوپر چادریں ڈال لیں۔

تفسیر کشاف میں ہے۔

فامر ان يخالفن بزینھن عن اُس لیے اُن کو حکم ہوا کہ لوٹدیوں کی وضع سے
ذی الاماء بلبس الامر دیۃ الگ وضع اختیار کریں یعنی چادریں اور برقع
واللاحف وستر السوءس والوجوۃ استعمال کریں اور سر اور چہرہ چھپائیں۔

ان تصریحات میں ایک خاص امر یاد رکھنا چاہیے وہ یہ کہ ابن کثیر کی تصریح
سے معلوم ہوتا ہے کہ سیویوں اور لوٹدیوں کے لباس اور وضع میں فرق تھا
اور وہ یہ تھا کہ بیبیاں چادروں سے چہرہ چھپاتی تھیں اور لوٹدیاں کھلے منہ
نکلتی تھیں۔

اشعار جاہلیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

ولسو تکم فی الروع باد وجوہھا

یخلن اماء والاماء حرا یر

یعنی تمھاری عورتوں کے چہرے لڑائی میں کھل گئے تھے اس لیے وہ
لوٹدیاں معلوم ہوتی تھیں۔ حالانکہ وہ لوٹدیاں نہ تھیں ابن کثیر کی عبارت
سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ میں بھی یہ فرق قائم تھا۔ اور اسی وجہ

جب کوئی بی بی کھلے منہ نکلتی تھی تو بد معاشوں کو ان کے چھڑنے کے لیے یہ
عذر ہاتھ آتا تھا کہ ہم نے اُن کو لوٹدی سمجھا تھا۔

جلباب اور ادنا جلباب کے معنی میں اگرچہ متاخرین نے بہت سے اقوال
نقل کیے ہیں۔ لیکن محقق یہ ہے کہ جلباب ایک قسم کا برقع یا چادر تھی جو تمام کپڑوں
سے زیادہ وسیع ہوتی تھی۔ اور اس لیے سب کے اوپر استعمال کی جاتی تھی۔
جس طرح آجکل ترکی خاتونیں فراجہ استعمال کرتی ہیں تفسیر علامہ ابن کثیر میں ہے
والجلباب هو الرداء فوق الخمار قال ابن مسعود وعبيدة والحسن

البصري وسعيد بن جبیر وابراهيم الخفي وعطاء الخراساني وغير واحد
یعنی جلباب چادر کو کہتے ہیں جو خمار کے اوپر استعمال کی جاتی ہے عبد اللہ
بن مسعود، عبیدہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطاء خراسانی وغیرہ نے
جلباب کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ دوسرا لفظ جو بحث طلب ہے وہ ادنا ہے
ادنا جلباب کے معنی تمام مستند مفسرین نے جو فن نفث کے بھی امام ہیں منہ
چھپانے کے لکھے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور
تمام صحابہ میں فن تفسیر کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ ان کا قول تفسیر ابن کثیر میں
علی بن طلحہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اموالہ للنساء المؤمنین اذا خرجن خدا نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ جب گھر سے

من بیوہن فی حاجة ان یغطین کسی کام کو نکلیں تو سر سے چادر اوڑھ کر چہروں
 وجوہن من فوق رؤسهن بالجلباب کو چھپالیں اور ایک آنکھ کھلی رکھیں۔
 وسیدین عیناً واحدة

تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

قال ابن عباس وابو عبیدہ امر ابن عباس اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ خدائے
 لساء المؤمنین ان یغطین رؤسهن مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ چادر سے اپنا
 وجوہن بالجلباب العینا واحدة سر اور چہرہ چھپالیں۔ بجز ایک آنکھ کے۔
 طبقات بن سعد میں ہے۔

محمد بن عمر عن ابی لبسرة عن ابی صغر محمد بن عمر نے ابولبسرة سے انھوں نے ابوصغر
 عن ابی کعب القرظی قال کان رجل سے انھوں نے ابن کعب قرظی سے روایت
 من المنافقین یتعرض لساء المؤمنین کی ہے کہ مدینہ میں ایک منافق تھا جو مسلمان
 یوذہن فاذا قیل له قال کنت احسبھا خاتونوں کو چھیڑ کر مارتا تھا اور جب اُس کو ٹوکا
 امة فامرهن الله ان یخالفن بزیا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میں نے لوٹدی سمجھا تھا تو
 الاماء ویدنین علیھن من جلا ینھن خدائے حکم دیا کہ لوٹدیوں کی وضع ترک کریں۔
 تخمس وجھھا الا احدى عینھا۔ اور اپنے اوپر اس طرح سے چادر ڈالیں کہ چہرہ
 چھپ جائے بجز ایک آنکھ کے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ابو عبیدہ، ابن کعب قرظی لغوی، ابن کثیر اور

ترخصتری اس درجہ کے لوگ ہیں کہ ان کے مقابلہ میں اگر کسی مخالف کا قول ہوتا بھی تو اس کی کیا وقعت ہو سکتی۔ لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہے شاذ و نادر کے سوا تمام اہل لغت اور مفسرین نے یہی معنی بیان کیے ہیں۔

اس صورت میں صرف شاہ ولی اللہ کے مبہم ترجمہ سے ایسے معرکہ الآرا مسئلہ میں استدلال کرنا کس قدر تعجب انگیز ہے۔

پردہ کے متعلق تمام دنیا میں مسلمانوں کا جو طریق عمل رہا ہے وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ میں عورتیں بغیر برقع اور نقاب کے باہر نہیں نکلتی تھیں اور بجز کسی خاص حالت کے نامحرموں سے ہمیشہ منہ چھپاتی تھیں۔ یہاں تک کہ یہ امر معاشرت کا سب سے بڑا مقدم مسئلہ بن گیا تھا۔

تصدیق اس کی واقعات ذیل سے ہوگی۔

ایک دفعہ منیرہ بن شعبہ نے آنحضرت سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں فلاں عورت سے شادی کرنی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھلے جا کر اس کو دیکھ آؤ۔ انھوں نے جا کر اس عورت کے والدین سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ اور آنحضرت کا پیغام سنایا۔ صحابہ جس قدر آنحضرت کے حکم کی اطاعت کرتے تھے۔ محتاجِ بیاں نہیں تاہم والدین کو ناگوار ہوا کہ لڑکی ان کے سامنے آئے اور یہ اس پر نظر ڈال سکیں۔ لڑکی پردہ میں سے یہ باتیں سن رہی تھی۔ بولی کہ اگر آنحضرت نے حکم دیا ہے تو تم مجھ کو آکر دیکھ لو۔ ورنہ میں تمکو خدا کی قسم دلاتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا۔

یہ واقعہ سنن ابن ماجہ باب النکاح میں مذکور ہے۔

محمد بن سلمہ ایک صحابی تھے۔ انھوں نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی اور اس لیے چاہا کہ چوری چھپے کسی طرح عورت کو دیکھ لیں لیکن موقع نہیں ملتا تھا یہاں تک کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ میں گئی۔ انھوں نے موقع پا کر اُس کو دیکھ لیا۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو نہایت تعجب سے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ صحابی ہو کر ایسا کام کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت سے سنا ہی کہ جب کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ پچھلے اُس کو دیکھ لیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ باب النکاح)

صاحب آغانی نے اخطل کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اخطل سعید ابن آیاس کا مہمان ہوا۔ سعید نے بڑے تپاک سے مہمانداری کی یہاں تک کہ اُس کی دونوں لڑکیاں جن کا نام زعموم و امامہ تھا اخطل کی خدمت گزاری میں مصروف رہیں۔ دوسری دفعہ جب اخطل کو یہ موقع پیش آیا تو یہ لڑکیاں جو ان ہو چکی تھیں۔ اس لیے اخطل کے سامنے نہ آئیں آغانی کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

شر نزل علیہ ثانیۃ وقد کبرتا فحبستہما فسأل عنہما وقال فاین ابتنائی
فاخبر بکبرہما۔

یعنی اخطل دوبارہ سعید کا مہمان ہوا تو لڑکیاں بڑی ہو چکی تھیں۔ اس لیے انھوں نے پردہ کیا۔ اخطل نے پوچھا تیری لڑکیاں کہاں ہیں۔ سعید نے کہا۔

اب وہ بالغ ہو گئیں۔

پردہ کا اس قدر عام رواج ہو گیا تھا کہ جب کبھی کوئی واقعہ اس کے خلاف پیش آیا ہے تو مورخین اور واقعہ نگاروں نے ایک مستثنیٰ واقعہ کی طرح اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے سفر نامہ میں جہاں ترکوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک عورت کا تذکرہ کر کے لکھا ہے۔

وهی بادیه الوجه لان نساء الاتراك لا یحجبن یعنی اُس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ کیونکہ ترکی عورتیں پردہ نہیں کرتیں صاحب آغانی نے حنظل کے تذکرہ میں ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے۔

وكان اهل البدوا اذاك یحدث برهالهم الى النساء کایرون
بذلك لباسا۔

یعنی اس زمانہ میں صحرائین عربوں میں مرد عورتوں کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور ان سے بات چیت کرتے تھے اور اس کو میوب نہیں خیال کرتے تھے اسی کتاب میں حمیل کے تذکرے میں جو ایک بدروی شاعر تھا لکھا ہے۔

ان جمیل بن معمر خرج فی یوم عید والنساء اذا ذالک
یأتزین ویبذو لبعضهن لبعض ویبدون للرجال فی کل عید
جمیل بن معمر ایک دفعہ عید کے دن نکلا اس زمانہ میں عید کے دن عورتیں آراستہ
ہو کر ایک دوسرے سے ملتی تھیں اور مردوں کے سامنے آتی تھیں۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کا پردہ کرنا اور منہ چھپانا مسلمانوں کی عام معاشرت تھی۔ اس کے خلاف کوئی واقعہ ہے تو وہ خاص کسی قوم یا کسی خاص زمانہ سے تعلق رکھتا ہے اور کتابوں میں بطور ایک مستثنیٰ واقعہ کے ذکر کیا جاتا ہے اس موقع پر ہم دوبارہ اپنے قومی نامور مصنف (مولوی امیر علی) کے ان الفاظ پر توجہ دلاتے ہیں۔

”خلفاء کے زمانہ تک اعلیٰ طبقہ کی عورتیں بلا برقع کے مردوں کے سامنے آتی تھیں۔“ ذلک مبلغہم من العلم۔

مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم المحقوق والفرائض میں لکھتے ہیں۔

بے پردگی کے فائدے۔ کہ پردہ کی وجہ سے عورتیں اپنے حق واجب تفریح اور تعلیم سے محروم ہیں۔ پردہ ایک قسم کی قید ہے۔ مادام الحیاۃ پردہ کی قید نے عورتوں کو کمزور بنا دیا ہے اور ان کی کمزوری اور ناتوانی کا اثر بدسلوکی پر پڑ رہا ہے۔ پردہ اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کو عورتوں کا اعتبار نہیں۔ آدمی مرد ہو یا عورت بالطبع آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اور جب اُس کی آزادی کو جبراً روکا جاتا ہے تو وہ مکر و فریب اور دھوکے سے آزادی کو عمل میں لاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ لوٹڈی غلام زویل خصلتیں اختیار کر لیتے ہیں اور اسی لیے انگریزوں نے لوٹڈی غلام بنانے کو قتل نفس سے دوسرے درجہ پر جرم قرار دیا یعنی جتنے عیب ہماری عورتوں پر تھوپے جاتے ہیں

(۱) ان کید کن عظیم

(۲) اگر نیک بودے سرانجام زن : زبان راعزن نام بودی نزن

(۳) اسپ زن و شمشیر و فادار کہ دید

سب پردے کی بدولت۔ غرض پردے کے مخالفوں کے نزدیک مسلمانوں کی قوم کا افلاس ان کی تباہی، ان کی بربادی، ان کی ذلت، ان کی جہالت، ان کا تنزل جتنی بھی خرابیاں ہیں پردے کے نتیجے میں اعتراضات کرتے تو

کر بیٹھے مگر ح کہ عشق آسان نمود اول و لے افتاد مشکلمہ و دشواری پیش

آئی کہ پردے کی مخالفت کے ساتھ مسلمان ہونیکے بھی لمبے چوڑے دعوے

ہیں ح اے مبل بلند بانگ در باطن بیج۔ اور قرآن ہے کہ صاف

لفظوں میں حکما پردے کی حمایت کرتا ہے۔ حامیان پردہ اور مخالفان پردہ

کا اختلاف ناگوار درجے کو چھونچ گیا ہے اور ہمارے نزدیک پردے کے

مطلب کو ہر دو فریق میں سے ایک نے بھی نہیں سمجھا۔ اور یہی وجہ دونوں کی

طرف افراط و تفریط کی جذبات یہ ہے کہ پردہ خود مقصود بالذات نہیں اصل میں

مقصود بالذات ہے عصمت و عفت کی حفاظت اور پردہ اس کی تدبیر ہے۔

اور بس عفت و عصمت مرد و عورت دونوں سے مطلوب ہے اور اس کا حفظ

بھی دونوں کے کرنے سے ہوتا ہے اور چونکہ عورت مرد کے مقابلہ میں کمزور

پیدا کی گئی ہے۔ اور جسمانی کمزوری کے علاوہ ناقص العقل بھی ہے۔ اس پر

حفظ عصمت کی زیادہ تاکید بھی ہے بعنوان پردہ کے ذیل میں وہ لمبی آیت دیکھو
 قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم الخ مسلمان مردوں کو اتنا ہی حکم ہے۔ کہ اپنی
 نظریں نیچی رکھیں۔ اور اپنے شرنگاہوں کی حفاظت کریں۔ اس میں اُن کی زیادہ
 صفائی ہے۔ اور مسلمان عورتوں کے لیے یہ بھی ارشاد ہے کہ
 قل للمؤمنات یغضضن من ابصارهم ویحفظن فروجهن ولا یدین
 ذینھن الا ما ظہر منها۔

یعنی (اے پیغمبر) مسلمان عورتوں سے کہو کہ (وہ بھی) اپنی نظریں نیچی رکھیں
 اور اپنی شرنگاہوں کی حفاظت کریں۔ اور اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر
 نہ ہونے دیں۔ مگر جو اس میں سے (چار و ناچار) کھلا رہتا ہے۔ (تو اس کا ظاہر
 ہونے دینا کوئی مضائقہ کی بات نہیں) عورتوں پر ان کی جسمانی کمزوری
 اور نقصان عقل کے علاوہ پردہ کی زیادہ تاکید کرنے کا ایک سبب اور بھی ہے
 کہ مردوں کو خلقی توانائی کی وجہ سے تحصیلِ معاش کے لیے دنیا کے مشکل
 اور بہت کام کرنے پڑتے ہیں۔ اور چونکہ ان کو دنیا کے نشیب و فراز سے اکثر
 سابقہ پڑتا رہتا ہے اسی سے اُن کی عقلیں تیز ان کی ہمتیں قوی ہوتی ہیں۔
 عورتوں کا تو بس یہی کام ہے کہ مرد جو کچھ لکھا لائیں یہ اُس کو انتظام اور سلیقے
 سے اٹھائیں، گھر کو سنبھالیں، بچوں کو پالیں، جسمانی اور دماغی محنتوں کو
 کوئی مردوں کے دل سے بوجھے کہ ایک معاش کے پیچھے خون اور پسینا ایک

کرنا پڑتا ہے

شب تاریک و بیم موج و گردِ ابے نہیں حائل
کجا دانستد حالِ ماسکساراں ساحلہا

پردے کے مخالفوں نے تو یہ سمجھ رکھا ہے کہ مرد دراصل عورتوں کے دشمن ہیں۔ اور انھوں نے ظلماً عورتوں کو پردے پر مجبور کیا ہے حالانکہ حقیقت واقعی یہ ہے کہ مرد و عورت کا تعلق پیار و اخلاص سے شروع ہوتا ہے۔ پیار و اخلاص کے ساتھ جاری رہتا۔ اور پیار و اخلاص ہی ختم ہوتا ہے۔ مرد و عورت کی بناؤ ہی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ ایک دوسرے سے انس و محبت کریں۔ شروع میں عورت ماں ہوتی ہے اور مرد اُس کی اولاد۔ ماں کی مانتا کو سنبھالتے اور سنبھتے ہیں رہی اولاد تو ماں اولاد کے لیے سرچشمہ زندگی ہے یعنی ایک خاص وقت تک یہ مرد کی زندگی کا پہلا درجہ ہے۔ ماں اور اولاد ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے پر مجبور ہیں۔ پھر مرد کی عمر کے اسی درجہ میں یا اس کے متعاقب اکثر بھائی بھنوں کا تعلق ہوتا ہے وہ بھی اور کچھ نہ سہی تو ایک جگہ کارہنہا سنا ماں باپ کی محبت میں سا جھے کا ہونا الفت کے لیے کفایت کرتا ہے۔ غرض ماں اور اولاد کے تعلق کے علاوہ مرد اور عورت کے تعلق کی ایک شانِ اخوت ہے اور وہ بھی مبنی ہے محبت پر۔ طفولیت کے درجوں سے گزر کر پھر جو مرد و عورت میں تعلق ہوتا ہے وہ زناشوی کا تعلق ہے۔ اور کچھ شک نہیں

کہ زنا شوقی کا تعلق بھی پیارا اور محبت کا تعلق ہے اس صورت میں یہ خیال
 کرنا کہ مرد دراصل عورتوں کے دشمن ہیں۔ اور انھوں نے ظلماً عورتوں کو پر دے پر
 مجبور کیا ہے۔ ایک لغو خیال ہے۔ اور مرد و عورت کی فطرت اس کی تکذیب
 کرتی ہے۔ آدمی کچھ اس طرح کا خود غرض مخلوق ہے کہ بے مطلب یہ کسی کا بھی
 آشنا نہیں۔ یہاں تک کہ خدا کا بھی۔ پس جس کسی سے اسے محبت کرتے دیکھو۔
 سمجھ لو کہ محبت میں جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت مضرب ہے۔ جب انسان کی محبت کا
 مدار غرض پر ٹھیرے تو جہاں غرض قوی متحد اور دیر پا ہوگی۔ محبت بھی قوی ہوگی
 اور یہی بات آدمی کے تعلقات میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ کہ بیاہے بیچے جو رو
 خضم دونوں سب سے ٹوٹ کر اپنی خانہ داری الگ کر لیتے ہیں۔ وہ سمجھ جاتے
 ہیں کہ دنیا ایک چھکڑہ ہے اور یہ دونوں دو بیلوں کی جگہ اس میں جوت
 دیے گئے ہیں۔ اور چھکڑہ ان کو قبر کی منزل تک کھینچے جاتا ہے۔ گاڑی بانوں کا
 قاعدہ ہے کہ جوڑی میں جو بیل مٹھا ہوتا ہے اسے دائیں طرف جوتے ہیں۔ اور
 چست و چالاک کو بائیں طرف اور یہ غالباً اس لیے کہ داہنے ہاتھ سے ہانکنا ہوتا
 ہے۔ مٹھا ہانکنے سے اپنی جوڑی کے ساتھ ساتھ چل سکیگا۔ میاں بوی واقع میں بیل
 نہیں ہیں۔ ہم نے مثال کے لیے ان کو بیل بنا لیا ہے۔ اچھا تو جب مرد و عورت
 دنیا کے چھکڑے میں جوتے گئے۔ اور دونوں تھے ایک دوسرے کے حال
 سے واقف۔ ایک دوسرے سے مانوس۔ انھوں نے آپ تجویز کیا۔ کون

داسنے رہے اور کون بایں۔ عورت تھی خلقۂ کمزور اور کمزوری کی وجہ سے
 سٹھی اُس کو دائیں طرف رکھا۔ یعنی تحصیل معاش کے مشکل مشکل کام مرد نے
 لیے اور خانہ داری کے ہلکے ہلکے عورت کو دیے۔ مگر عورت خانہ داری کو قرن
 فی بیوتکن (اپنے گھروں میں مقیم رہو) کی تعمیل کے بدون اچھی طرح ہنہمال
 نہیں سکتی۔ ناچار اس کو پتہ مار کر گرتیں بیٹھنا پڑا۔ یہ ہے پردہ کی جہل جابوا اس کو
 مردوں کا ظلم سمجھو۔ باعورتوں کا ضعف مگر مردوں کا ظلم سمجھنا بچا سہے خود مردوں پر
 ظلم ہے۔ مٹی سست، گواہ چست، گدھے کو دیانگ اس سہے کہ امیر تہی نکھیں
 پھوٹیں۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ ناموس مرد کی امانت ہے۔ عورت اُس کی امانت
 اور مہر نان و نفقہ امانت کا معاوضہ، پس عورت کا فرض ہے کہ مرد کی امانت
 کی پوری پوری حفاظت کرے۔ اور وہ بڑے بڑے کے (مکمل نہیں تو ہم نہیں کتے مگر)
 لایق اطمینان مشکل تو ضرور ہے۔ مال کی حفاظت کے لیے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے زمین
 میں گاڑتے، دوہرے دوہرے چنیر کے تالے لگاتے۔ اوپر سے پھرہ چو کی چٹاٹے
 آبر و مال سے کہیں زیادہ عزیز چیز ہے۔ اس پر سے نیرت مند لوگ جانیں قربان
 کرتے ہیں ایک پردے سے اس کی قابل اطمینان حفاظت ہو سکے تو کیوں نہ کی جائے
 مانا کہ خود عورت ناموس کی بڑی محافظ ہے۔ مگر بے پردگی سے ”سرو و دبستان
 یاد و ہاتھ دین“، ”دیوانہ را ہوئے بس است“، کرنا ضرور نہیں۔ تو احتیاط کے خلاف
 ضرور ہے۔

شرعی پردہ کی پوجھو۔ تو قرآن کی آیتوں اور حدیثوں کے جمع کرنے سے وہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پردہ مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات ہے حفظ عصمت اور پردہ اس کی تدبیر ہے اور بس۔ کیونکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کے ہاتھوں سے تنگ آکر مینے تشریف لے آئے تو ان دنوں مدینہ قصبہ بھی نہیں ایک کانوں تھا۔ اور اس کا نام مدینہ بھی حضرت کا رکھا ہوا ہے۔ ورنہ اس کا اصلی نام تھا شیرب چنانچہ قرآن میں بھی مدینے کو شیرب ہی فرمایا ہے۔ شیرب کے معنی عربی میں ہیں ”اُڑے خراب ہو“ پیغمبر صاحب کو بُرے ناموں سے تھی نفرت۔ آپ نے اس کا نام مدینہ رکھا۔ تب سے یہی نام پڑ گیا جس کے معنی ہیں شہر شیرب کی آب و ہوا بھی خراب تھی۔ کہ جسے شیرب یعنی شیرب کی تپ۔ مشہور تھی۔ نام کے ساتھ، پیغمبر صاحب کی برکت سے آب و ہوا بھی بد لکر درست ہو گئی۔ شیرب میں بیت الخلاء بھی نہ تھے شرفا کی بو بیٹیاں سب رنغ جات کے لئے جھپٹے کا وقت ناک کر گانوں سے باہر نکل جاتی تھیں۔ گانوں کے شہریہ نوجوان آتی جاتیوں کو چھیڑتے بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات بہت ناگوار معلوم ہوتی تھی اور وہ بار بار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پرے کی بابت عرض کیا کرتے تھے مگر پردے کے بارے میں کوئی دجی تو آئی نہ تھی۔ پیغمبر صاحب اپنی طرف سے کیسے حکم دے دیتے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سودہؓ کو جاتے دیکھا ہر چند وہ دہکی ہوئی چلی جاتی

تھیں۔ مگر انہوں نے کسی طرح اُن کو پہچان لیا اور پیغمبر صاحب سے جا شکایت کی۔ آخر وحی نازل ہوئی کہ پیغمبر کی بیٹیاں، بیٹیاں اور عام مسلمان عورتیں گھونگھٹ بٹکا لکر نکلا کریں۔ تاکہ ہر شخص پہچان لے کہ کوئی پردے والی عورت ہے اور چھپڑے چھڑے نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کے نزول تک عورتوں کو رفع حاجت کے لیے باہر جانا پڑتا تھا۔ اس اثنا میں بیت الخلا بھی بننے لگے ہونگے۔ کیونکہ مسلمانوں کی خوش حالی رفور بڑھتی جاتی تھی۔ تو پردے کا بیچ ذرا اور کس دیا گیا اور وہ بڑی لمبی آیت نازل ہوئی جس کا حوالہ ہم اوپر نے چکے ہیں یعنی وہ گھونگھٹ والی آیت تو اجنبیوں کے مقابلہ میں تھی۔ ایسی حالت میں کہ عورتوں کو رفع حاجت کے لیے چاروں طرف باہر جانا پڑتا تھا۔ اب یہ لمبی آیت اندرونِ خانہ کا پردہ ہے۔ پھر آخر میں جا کر پردہ کی تکمیل تو اس آیت سے ہوئی۔ جس میں امات المؤمنین یعنی پیغمبر صاحب کی بیٹیوں کو حکم ہے کہ قرن فی بیوتکن اور اصحاب رضی اللہ عنہم کو ارشاد ہوا ہے کہ وَاذْاَسَالْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ اگرچہ یہ احکام امات المؤمنین کو ہیں اور امات المؤمنین کے بارے میں ہیں مگر تمام مسلمان عورتیں اور تمام مسلمان مرد ان کے مخاطب ہیں۔ قرآن میں ایسے بہت احکام ہیں کہ مخاطب پیغمبر صاحب ہیں مگر سب مسلمان ان احکام کے محکوم ہیں پیغمبر صاحب کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ

اُن کو اپنی بیویوں کی عصمت کا زیادہ پاس تھا سخت لغو خیال ہے اور پردے کا
بجاء حکم قل لا ذوا جک و بنتک و نساء المؤمنین صاف اس امر
کی تردید کر رہا ہے۔

پنیر صاحب کو ایک آدمی مسلمان کی جان اپنی جان سے اور ایک ادنیٰ مسلمان کی
آبرو اپنی آبرو سے بہت زیادہ عزیز تھی اگرچہ پردہ کا بیچ مسلمانوں کی حالت کے
نما ظ سے رفتہ رفتہ کس گیا مگر وہ سب احکام بجائے خود بحال و برقرار ہیں
اب بھی ہمارے ملک کے چھوٹے چھوٹے دیہات میں بیت التلا نہیں ہوتے
حلال خور نہیں ہوتے۔ تو وہی گھونگھٹ کی قدر پردہ کیا جاتا ہے۔ اور اُن کے حق
میں وہی شرعی پردہ ہے غرض ہر ایک کی حالت کے مناسب ہر ایک کا پردہ،
ہے ایک پردہ جوان عورت کا ہے۔ ایک بڑھی کا۔ ایک دیہاتی کا ایک شہر کی
ایک غریب کا، ایک امیر کا، ایک حسین کا، ایک بد صورت کا جس کو جس طرح
عصمت کی حفاظت کا اطمینان ہو عصمت کی حفاظت کے ساتھ جو چاہے سو کرے
ہم تو اسی مروجہ پردہ کے نوکر ہوئے ہیں اور اسی کو عصمت کی حفاظت کا متعین
ذریعہ سمجھتے ہیں اور یہی ہمارا شرعی پردہ ہے۔

الا لیقل من شاء ما شاء انما	یلام الفتی فیما استطاع من لہم
-----------------------------	-------------------------------

اے سنو! جو جس کا ہی چاہے اسی کام میں ملامت کیا جاتا ہے جس پر اُس کا اختیار چلتا ہے۔ ۱۲۔



عفت اور حیا

ہماری نیکیوں کی بنیاد ہے
کیا بے پردہ کے یہ محفوظ رہ سکتی ہے

ان تمام تحریروں کے پڑھ لینے کے بعد اب ایک اور مسئلہ پیش کرتی ہوں جو غور کرنے کے قابل ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہماری شریعت مطہرہ کے تمام احکام کسی نہ کسی تمدنی، معاشرتی یا اخلاقی مصالح پر مبنی ہوتے ہیں پردے کے حکم میں گویہ تمام مصالح ملحوظ ہیں، لیکن اس کا اصلی مقصد ایک ایسے اعلیٰ اخلاقی وصف کی حفاظت کرتا ہے جو تمام اخلاقی خوبیوں کی جڑ ہے، حکمائے اخلاق کا بیان ہے کہ اخلاق کا سرشمبہ صرف تین چیزیں ہیں حکمت، شجاعت اور عفت لیکن ان تینوں چیزوں میں سے جو چیز عورت کی تمام اخلاقی خوبیوں کا سنگ بنیاد ہو سکتی ہے وہ عفت ہی ہے جس کا دوسرا نام شرم و حیا ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔

”اذا لم تستحی فاصنع ما شئت“ - ”اگر شرم و حیا نہ ہو تو جو جاہو کرو“

حقیقت یہ ہے کہ خوفِ خدا کے بعد ہر قسم کی بُرائیوں سے بچنے کا حقیقی علاج یہی شرم و حیا ہے، اسی کی بدولت انسان اور خصوصاً عورت اخلاقی مصائب سے

نجات پاسکتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض انسانوں میں بعض اخلاقی خوبیاں طبعاً و فطرۃً موجود ہوتی ہیں۔ اور اُن سے بغیر کسی قسم کے خوف و طمع کے خود بخود ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن عام طور پر لوگ اچھے اخلاق کے پابند صرف اس ڈر سے ہوتے ہیں کہ سوسائٹی کے لعن و طعن سے محفوظ رہیں۔ لعنت و ملامت کے اس خوف ہی کا نام شرم دجیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً انسانوں سے جو بھلائیاں وقوع میں آتی ہیں اُن کی اصل محرک یہی شرم دجیا ہوتی ہے۔ اگر لوگوں کے لعنت و ملامت کا خوف جاتا ہے تو انسان کو کسی قسم کی بُرائی اور کسی قسم کی بد اخلاقی کے کرنے میں عار نہیں آسکتا۔ چنانچہ اس حدیث اذالہ تستحی فاصنع ما شئت (اگر تم کو شرم دجیا نہیں ہے تو جو چاہو کرو) میں اسی نکتہ کو واضح کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ وہ تعلیم ہے جو متفقاً تمام پیغمبروں نے دی ہے، اس لیے جس طرح عقائد میں توحید تمام مذاہب کا لازمی جزو ہے اُسی طرح اعمال میں تمام پیغمبروں نے شرم دجیا کو تمام اخلاقی خوبیوں کا اصل الاصول قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر خاص طور پر احادیث میں شرم دجیا کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

أَحْيَاءُ شُعْبَةٍ مِنَ الْإِيمَانِ - حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلِقَ هَذَا الدِّينُ الْإِيمَانُ - ہر دین کیلئے ایک مخصوص خلق ہے اور اس

حفاظت عصمت کا ایک قوی ترین ذریعہ ہے اور عورت کا مردوں کے میل جول سے بچنا بغیر پردہ کے ناممکن ہے۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی شہادت زمانہ حال کے وہ اہل قلم دے رہے ہیں جن کے ہاں پردہ کا رواج کم یا بالکل نہیں ہے۔

مصر کے ایک عالم نے لکھا ہے ”عورتوں کو حجاب کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح مرد کو ہتھیار کی تاکہ جس طرح وہ اپنے جان و مال کی حفاظت احمہ سے کرتا ہے۔ اُسی طرح یہ اپنے عفت و عصمت کی حفاظت پردہ سے کریں۔“
 جرمنی کے ایک عالم کا قول ہے ”مشرق و مغرب کی عورتوں کی آبرو میں ان کے خاوندوں کے نزدیک بہت بڑا فرق ہے پھر لکھا ہے کہ پردہ میں یا پردہ کے قریب قریب عورتوں کی حفاظت کا بہت بڑا فائدہ ہے،“ اور لکھا ہے ”لڑکیوں کی حفاظت چار انجیل اور چار دیواری کے اندر کرو۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہائی میں جمع ہونے والے مرد اور عورت پر لعنت فرمائی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ”جب مرد و عورت خلوت میں ہوتے ہیں تو وہاں تمسیر شیطان ہوتا ہے، اور بڑا شیطان یہی نفس سہمیہ ہے جو عورت و مرد دونوں میں ہوتا ہے اس کا قابو میں رکھنا ایک اعلیٰ صفت ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ پردہ کے ذریعہ سے ان اسباب ہی کا انسداد کر دیا جائے اور علاوہ اس کے

عورت کے جو فرائض ہیں اُن کو مثلاً بچوں کی تربیت اور امور خانہ داری کا نظام وہ گھر ہی میں بیٹھ کر انجام دے سکتی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یہ فرائض عورتوں پر اسی لیے عاید کیے ہیں کہ وہ گھر میں رہیں اسی وجہ سے وہ تلاش معاش کے لیے گھر سے نکلنے پر مجبور نہیں ہیں اور یہی سبب ہے کہ اُن کے نان و نفقہ کی ذمہ داری مردوں پر فرض کی گئی ہے۔

پردہ اُن کی عصمت کا محافظ اور ان کی عزت کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے اور پردہ سے دراصل مقصود بھی یہی ہے کہ وہ اپنی عزت و آبرو کو محفوظ رکھ سکیں اور ان کی پاکبازی و حیاداری پر حریف نہ آئے۔



عورت کی خانگی اور بیرونی معاشرت

گھر سے باہر نکلنے میں شریعت نے عورت پر جو پابندیاں عائد کی ہیں، اسکی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اب صرف دو امور بحث طلب ہیں۔

(۱) عورت کو گھر کے اندر شرم و حجاب کی کس قدر پابندی کرنی چاہیے۔

(۲) پردے کی پابندیوں کے ساتھ گھر کے باہر کن کن مشاغل میں حصہ

لے سکتی ہے اور کن حالتوں میں اُس کو شرعاً گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

پہلے امر کی نسبت حدیث کی کتابوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شرمیلے

اور حیا دار تھے جس طرح کنواری عورتیں، اپنے پردوں کے اندر پابند شرم و حیا ہوتی

ہیں۔ اس تشبیہ سے رسول اللہ کی انتہائی شرم و حیا کا اظہار مقصود ہے، اور اس

سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا گھر میں بھی پابند شرم و حیا رہنا اُس کا قدرتی وصف

ہے، اور ایشیا کی تہذیب ہمیشہ اس قسم کی عورتوں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھے گی،

اور عرب کی عورتیں اسی قسم کی شرم و حیا کی پابند تھیں۔

لاستبر کی وہ پابندیاں جو گھر سے باہر عورتوں کے لیے لازمی ہیں وہ گھر کے اندر

اُن پر عائد نہیں کی جاسکتیں۔ چہرہ اور ہتھیلیاں یہ دو عضو گھر کے اندر کھلے رہ سکتے ہیں،

جبکہ قرآن، احادیث اور فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہے، اور محرموں کے سامنے

اُن کو کھول کر آنا جائز ہے، بلکہ اور زینت و آرائش، کے مقامات بھی اُن کے سامنے اگر اتفاقاً کھل جائیں تو گناہ نہیں، عورت پردہ کے اندر سے مرد کی آواز سے سُن سکتی ہے جیسا کہ صحابیات آنحضرت صلعم اور دیگر خلفائے راشدین کے مواعظ اور ارشادات کو سنتی تھیں، اور یہی حکم قرآن مجید کی اس آیت سے سمجھا جاتا ہے۔

فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَدَاعِ حِجَابٍ - پیغمبر کی بیویوں سے پردہ کی اوٹ سے چیزیں مانگو
 اسی طرح غیر محرم مردوں کے مجمع کو عورت اپنی آواز سنا سکتی ہے، لیکن شرط یہ ہے
 کہ آوازیں بناؤ اور تصنع نہ کیا جائے، جیسا کہ اس آیت پاک کا ارشاد ہے۔

فَلَا تَخْضَعَنَّ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي
 قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا۔

(احزاب)

بات میں دھم سننے کی بجائے آواز میں نرمی
 نکرو کہ جسکے دل میں بیماری ہو اس کو حوصلہ
 بڑے اور اچھی بات کہنا کرو۔

چنانچہ تمام ارواح مظہرات اور صحابیات اسی طریقے سے غیر محرموں سے باتیں کرتی تھیں، اُن کو حدیثیں سناتی تھیں، فتوے بتاتی تھیں اور کبھی موقع ضرورت پر تقریر بھی کرتی تھیں۔

(شریعت نے عورتوں کو گھر کے اندر بھی ایسے باریک کپڑے پہننے کی ممانعت فرمائی ہے جس سے اُن کے بدن کا کوئی حصہ نمایاں ہو، مصر میں ایک غایت لطیف اور باریک کپڑا بنا جاتا ہے، جس کو قیاطی کہتے ہیں ایک بار حضرت دحطیب کورسول المد صلعم نے یہی کپڑا دیا اور کہا کہ اس سے اپنی بی بی کا دوپٹہ بنانا لیکن

اس سے کہنا کہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا پہن لے تاکہ اُس کا بدن نمایاں نہ ہو
حضرت ام سلمہؓ اسی خیال سے اس کپڑے کا دوپٹہ نہیں اڑھتی تھیں۔
تستر کے ساتھ عورتوں کو مردوں کی وضع اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہو
اور حضور اقدس صلعم نے ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو مردوں کا طوطی طریقہ اور لباس
اختیار کرتی ہیں، ایک بار حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ عورت مردوں کا جو
پہن سکتی ہے یا نہیں؟ بولیں رسول اللہ صلعم نے ان عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے
جو مردوں کی وضع اختیار کریں۔

شہرم و حیا اور وضع و لباس کی اس پابندی کے ساتھ عورتیں گھر کے اندر اور
تمام جائز امور سے اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکتی ہیں۔ جائز اور مہذب کھیل تماشے کو
پردے کے اندر سے دیکھ سکتی ہیں۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلعم نے خود
حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کے کرتب کا تماشا دکھایا ہے وہ گھر کے اندر و غط و نصیحت
کے لیے جیلے بھی کر سکتی ہیں، چنانچہ عورتوں کی خواہش کے مطابق ہفتہ میں ایک بار
رسول اللہ صلعم عورتوں کو خاص طور پر و غط و پند فرمایا کرتے تھے۔

دوسرا امر یعنی یہ کہ وہ گھر کے باہر کن کن مشاغل میں حصہ لے سکتی ہے؟ اس کے
متعلق پہلی سوال یہ ہے کہ عورت پردے کی پابندی کے ساتھ گھر سے باہر نکل سکتی
ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔

قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ (حضرت عائشہؓ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اِذَا اَسْرَاكَ سَفَرًا اَفْرِجْ بَيْنَ اَذْوَانِهِ
فَاِنَّهُنَّ خَرَجَ اِتْمَاخُ حَاجٍ بِهَذَا سَوْءُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكَ عَائِشَةُ كَا قَرَعِ
بَيْنَنَا فِي غُرْ وَ تَعَزَّاهَا فَخَرَجَ فِيهَا اِسْمٰى
فَخَرَجَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بَعْدُ مَا اَنْزَلَ الْحِجَابُ -
سفر کرتے تھے تو اپنی بیبیوں پر قرعہ ڈالتے
تھے ان میں سے جس کے نام پر قرعہ پڑتا تھا
اُس کو ساتھ لے جاتے تھے ایک غزوہ میں
آپ نے ہم پر قرعہ ڈالا تو میرے نام پر قرعہ پڑا
اس لیے میں بعد نزول حکم حجاب آپ کے
ساتھ سفر میں نکلی۔

اس سے ثابت ہوا کہ عورت پردے کی پابندی کے ساتھ گھر سے باہر نکل سکتی ہے
شرعی پردے کی پابندی کے ساتھ ہماری مسلمان بہنیں دنیا کے تمام مذہبی، علمی سیاسی
اور تمدنی کام انجام دے سکتی ہیں اور یہ کہنا کہ بغیر پردہ شکنی یہ کام انجام نہیں پاسکتا ایک
تاریخی غلط بیانی ہے، اسلام کے عہد خیر و برکت اور مسلمانوں کے عہد عروج میں عورتوں
نے یہ تمام کام اسی پردہ کی حالت میں کیے ہیں۔ سفر، طلب علم، تعلیم و تدیس ضرورت
کے وقت دشمنوں سے مقابلہ پردہ ان باتوں سے مانع نہیں ہے۔

سفر جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ ہے ضرورت کے وقت وطن سے باہر نکلنا پردہ کے ساتھ
جائز ہے اور زمانہ خیر القرون میں مسلمان عورتیں ہمیشہ سفر کرتی تھیں، لیکن کبھی اس کے
لیے پردہ شکنی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اسلام نے سفر کے لیے ایک قید ضروری خیال
کی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی بڑا سفر حرم کے بغیر عورت نہ کرے، بڑا سفر اسلام کی اصطلاح
میں وہ ہے جو ۴۰ گھنٹہ یا اس سے زیادہ کا ہو، بعض روایتوں میں ہے کہ بڑا سفر تین دن

تین رات کے سفر کو کہتے ہیں، احادیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلم نے فرمایا۔

لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوُفُّ مِنْ يَدِ اللَّهِ وَالْيَوْمِ (اُس عورت کے لیے جو خدا اور روز قیامت پر ایمان والا ہے) أَنْ تَسَافِرَ سَيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ رُكْضَتِي هِيَ، يَهْجُزُ نَحْوَهُ كَمَا يَكُونُ رَأْسُ رَاثٍ كَالسَّافِرِ الْأَوْ مَعَهَا حُرْمٌ۔

کرے لیکن یہ کہ اُس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔

آنحضرت صلم کے ساتھ ازواج مطہرات برابر سفر کرتی تھیں اور دوسری بیویوں کا بھی یہی حال تھا۔

مذہبی فرائض میں حج ایک ایسا فریضہ ہے جس کے لیے عورت کو دور دراز کا سفر کرنا پڑتا ہے، اور ایک ایسے مجمع میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ جہاں مردوں کا ازدحام ہوتا ہے اور احرام کی پابندی کی وجہ سے ان کو نقاب اور دستانہ پہننے کی بھی ممانعت ہے۔ لیکن بائیمہ عورت کو اس فریضہ کے بجالانے کی ممانعت نہیں کی گئی، بلکہ خود ازواج مطہرات اس فریضہ کو بجالاتی ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلم کے ساتھ سفر حج میں تھے، قافلے جب ہمارے سامنے سے گذرتے تھے تو ہم چادروں سے اپنا منہ ڈھانک لیتے تھے اور جب وہ کھل جاتے تھے تو منہ کھول دیتے تھے۔ ایک بار خاتم ابن عبدالمطلب نے اپنے زمانہ حکومت میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے روک دیا، حضرت عطا کو خبر ہوئی تو انھوں نے کہا کیوں کر اس کی ممانعت کی جاسکتی ہے حالانکہ خود ازواج مطہرات نے مردوں کے ساتھ

طواف کیا ہے اس پر پُرآن سے سوال کیا گیا کہ ایسا پردے کے حکم سے پہلے ہوا یا بعد کو؟ بولے پردے کے حکم کے بعد، پھر پوچھا گیا تو وہ اس حالت میں مردوں کے ساتھ کیونکر مل جل سکتی تھیں؟ بولے وہ مردوں سے الگ رہتی تھیں، حضرت عائشہؓ مردوں سے الگ ایک کنائے سے طواف کرتی تھیں۔

علمی مشاغل (عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ پردہ کے ساتھ آجکل بہت اہم خیال کیا جاتا ہے لیکن اگر ہم کو اپنی گذشتہ تاریخ کا کچھ بھی علم ہو تو معلوم ہو سکتا ہے کہ پہلے زمانہ میں مسلمان خاتونیں پردہ کی پابندی کے ساتھ علمی مشاغل میں کس طرح بے تکلف تعلیم حاصل کر سکتی تھیں اور دوسروں کو تعلیم دیتی تھیں، بلکہ یہ ان کی سب سے بڑی منفیت ہے کہ باوجود ان پابندیوں کے وہ کسب کمالات علیہ کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”و خدا انصار کی عورتوں پر رحم کرے کہ حیا اور شرم نے انکو مذہبی واقفیت حاصل کرنے سے نہیں روکا، تاریخ اسلام میں بہت سی ایسی عورتیں گذری ہیں جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور لوگوں کو تعلیم دی ہے، رقیہ بنت الیقین بن محمد کے سال میں لکھا ہے کہ انھوں نے تمام علماء سے علم حدیث کی تکمیل کی اور شیوخ مصر اور شام کی اجازت سے روایت حدیث کی یدینہ میں قیام کیا اور وہاں حدیث کا درس دیا، مشہور مورخ ابن خلکان، علم حدیث میں زینت بنت شمر کی شاگرد تھا۔ اور وہ خود علامہ زعفرانی کی شاگرد تھیں، ان کے علاوہ سینکڑوں خاتونیں ہیں جن کے نام تاریخ کے صفحات پر ہر جگہ مل سکتے ہیں لیکن ہمارے لیے سب سے بہتر مثال حضرت

صدیقہ کبریٰ اُم المؤمنین عائشہؓ کی ہے کہ وہ اسی پردہ کے اندر رہ کر کس طرح اپنے شاگردوں اور تلامذہ کو درس دیتی تھیں۔

”لڑکے عورتیں اور جن مردوں کا حضرت عائشہؓ سے پردہ نہ تھا وہ حجرہ کے اندر آ کر مجلس میں بیٹھتے تھے اور لوگ حجرہ کے سامنے مسجدِ نبویؐ میں بیٹھتے، دروازہ پر پردہ پڑا رہتا، پردہ کی اوٹ میں وہ خود بیٹھ جاتیں لوگ سوالات کرتے یہ جوابات دیتیں۔ کبھی کوئی سلسلہ بحث چھڑتا اور استاد شاگرد اُس خاص موضوع پر باتیں کرتے کبھی خود کسی مسئلہ کو چھیڑ کر بیان کرتیں اور لوگ خاموشی کے ساتھ سنتے، ان عارضی طالبِ علموں کے علاوہ جو کبھی کبھی حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے وہ خاندانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو شہر کے یتیم بچوں کو اپنے آغوشِ تربیت میں لیتی تھیں اور انکی تعلیم و تربیت کرتی تھیں کبھی ایسا ہوتا کہ غیر لڑکوں کو جو گوبڑے ہو چکے ہوں اپنی بہنوں سے دودھ پلاتی تھیں اور خود ان کی رضاعی خالہ بن کر ان کو اندر آنے جانے کی اجازت دیتی تھیں، جن کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی یعنی محرم نہ تھے وہ افسوس کرتے تھے کہ ہر کم حصولِ علم کا اچھی طرح موقع نہیں ملتا، قبضہ کتے تھے کہ عہدِ مجاہد سے علم میں ملے۔ بڑھ گئے کہ وہ اندر جاتے تھے امامِ حنفی جو عراق کے متفق علیہ امام تھے، وہ لڑکیوں میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کے دوسرے معاصرین کو اس بے شک تھا۔

سہولتِ تحکم ہر سال حج کو جاتیں، اسلام کا وسیع دائرہ سال میں ایک دفعہ ترمیم کر

ایک نقطہ میں جمع ہو جاتا تھا کہ وہ مرا اور شہیر کے درمیان حضرت عائشہ کا خیمہ نصب ہوتا
تشنگانِ علمِ حق و حق دور دراز ممالک سے اگر حلقہٴ درس میں شریک ہوتے مسائل
پیش کرتے، اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے، لوگ بغضِ مسائل کو پوچھتے بھگتے تو وہ دھارس
بندھائیں ایک صاحب ایک بات پوچھنا چاہتے تھے، لیکن شرماتے تھے آپ نے
فرمایا کہ جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے۔ مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو۔ میں تو تمھاری ماں
ہوں اور حقیقتاً وہ اپنے شاگردوں کی ماں ہی بن کر تعلیم کرتی تھیں،.....

.....
اُن کے مصارف کی بھی ذمہ داری کرتی تھیں اور ایسے بچوں کو دینی کرسی تھیں، وہ
اپنے شاگردوں کے ساتھ وہ برتاؤ کرتی تھیں کہ اُن کے عزیزوں کو رشک آتا تھا۔^(۱)

مشکلات اور مصائب کا مقابلہ انھوں نے اپنے جنسی حقوق کی طلبگاری کے لئے اسی پردہ
کے ساتھ تمام مراحل طے کر سکتی ہیں، بادشاہِ وقت اور امرا سے عہد کے سامنے وہ اپنے
اور اپنے جنس کے حقوق کے لئے ڈیپوٹیشن لے جاسکتی ہیں، اور امیرِ الوفد بن سکتی ہیں ایک بار
ایک صحابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میں عورتوں
کی طرف سے امیرِ الوفد بن کر آئی ہوں، جہاد مردوں پر فرض ہے اور وہ اُس کا ثواب
پاتے ہیں اور ہم مردوں کی خدمت گزاری کرتے ہیں، ہم کو اس کے بدلے میں کیا
ملیگا؟ فرمایا کہ عورتوں سے کم دیکو شوہر کی اطاعت اُس کا معاوضہ ہے جہاد بھی

اگرچہ مردوں کی طرح عورتوں پر فرض نہیں، تاہم عورتوں کو بوقتِ ضرورت جہاد میں شریک ہونے کی قطعی ممانعت نہیں ہے۔ غزوہ بدر و احد وغیرہ میں تو بہت سی عورتیں شریک ہوئی تھیں۔ غزوہ احد میں ایک عورت نے کئی زخم اٹھائے تھے غزوہ خیبر میں چھ صحابیات شریک تھیں جو زخمیوں کے علاج اور تیمارداری اور دیگر امور خدمتگداری کے انجام دیتی تھیں۔ اور گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً بے اجازت آنے پر ناراضی ظاہر فرمائی لیکن پھر اجازت دیدی اور ان کو مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔ حنین میں ام سلمہ ایک صحابیہ خیر لے کر آئی تھیں، رفیدہ ایک صحابیہ تھیں جو فنِ جراحی سے آگاہ تھیں اور حضرت سعد کی تیمارداری پر مامور ہوئی تھیں، عہدِ نبوت کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں بھی عورتوں نے غزوات میں حصہ لیا ہے اور حسبِ ذیل خدمات انجام دی ہیں۔

(۱) زخمیوں کو پانی پلانا۔

(۲) فوج کے کھانے کا انتظام۔

(۳) قبر کھودنا۔

(۴) مجروح سپاہیوں کو معرکہ جنگ سے اٹھالانا۔

(۵) زخمی سپاہیوں کی تیمارداری

(۶) ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا۔

(۷) میدانِ جنگ سے تیر اٹھالانا۔ ۷

لیکن اس کے لئے خوشہ اور امام کی اجازت یا عدم نارضی کی ضرورت بھی واقع ہوگی۔
 تمدنی اور معاشرتی حیثیت سے وہ شادی غمی میں شریک ہو سکتی ہیں۔ ایک بار
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو گھر کے باہر دیکھا تو پوچھا کہ گھر سے کیوں
 نکلیں؟ بولیں کہ ایک شخص مر گیا تھا اس کے گھر تعزیت ادا کرنے کو گئی تھی۔ مذہبی اور
 قومی جلسوں میں پرے کے ساتھ مردوں سے الگ اگر نشست کا انتظام ہو اور
 خوفِ فتنہ نہ ہو تو فوق البہر طرک لباس، تیز خوشبو اور جھنکار والے زیوروں سے سیرا ہو کر وہ
 شریک ہو سکتی ہیں، چنانچہ صحابیات انھیں شراط کے ساتھ مسجد میں عید گاہوں میں اور غلے کی مجلسوں
 میں شریک ہوتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اُن کو روکا نہ جائے
 لا تَمْنَعُوا اِماءَ اللّٰہِ مِنْ مَسَاجِدِ اللّٰہِ حدیث شریف صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ
 مسلمان عورتیں نیکی کی محفلوں میں اور عید گاہوں میں آئیں اگر اُن کے پاس اڑھنے کی
 چادر نہ ہو تو کسی بہن سے عاریتاً مانگ لیں، اُم ہشام ایک صحابیہ تھیں جنہوں نے سورہ
 قاف کو مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سن سن کر یاد کر لیا تھا، عرض یہ بالکل غلط خیال
 ہے کہ اسلام نے عورت کو پردے کا پابند بنا کر اس کو مجبور کر دیا ہے اور عورت پر پردے
 کی پابند ہو کر دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتی۔

عذرات شرعی | چونکہ میں یہ چاہتی ہوں کہ پردہ کے متعلق میری سطحِ علمیت کے مطابق
 حتی الامکان کوئی بات جھوٹے نہ پائے اس لئے اس بات کا بیان کر دینا بھی ضروری
 ہے کہ ہماری پاک شریعت نے ہماری ضروریاتِ زندگی کا لحاظ کیا ہے اور بعض ایسی

صورتیں بتائی ہیں کہ ناچاری اور سخت ضرورت کی حالت میں بدن کا بعض حصہ غیر مرد کو دکھانا جائز کیا ہے اس مسئلہ کے متعلق میں خود اپنے قلم سے کچھ لکھنا نہیں چاہتی، بلکہ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نامی تفسیر کبیر میں جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے وہ تلخیصاً پیش کر دینا کافی سمجھتی ہوں۔

۶۔ اگر کسی عورت پر نظر پڑانے کی کوئی ضرورت شرعی داعی ہو تو جائز ہے بشرطیکہ خوف فتنہ نہ ہو اس کے لئے حسب ذیل صورتیں ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکل کر ناچا ہے تو اس کے منہ اور تھیلیوں پر نظر ڈال لینا جائز ہے حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے کسی انصاریہ سے بیاہ کرنا چاہا تو آپ نے اُس کو فرمایا تم اُس کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی جب پیغام نکاح دے تو اُس کی طرف دیکھنا گناہ نہیں اگر اُس کا مقصود صرف ننگنی کرنا ہے اور مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک عورت سے مگنی کی تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اُسے دیکھ لیا عرض کی نہیں فرمایا کہ دیکھ لو اس لئے کہ اُس سے تم دونوں کے درمیان محبت قائم رہے۔

۲۔ کسی کثیر کو خریدنا چاہے تو اُس حصہ بدن کو دیکھنا جو ستر نہیں ہے جائز ہے۔

۳۔ خرید و فروخت (اور معاملات) کے وقت عورت کی طرف غور سے دیکھنا جائز ہے تاکہ وقت ضرورت اُس کو پہچان سکے۔

۳۔ گواہی کے وقت دیکھنا جائز ہے لیکن صرف چہرہ کی طرف کیونکہ شناخت چہرہ سے ہوتی ہے۔

۵۔ پاک دل طبیب کا علاج کے لئے دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ ضرورت کا منہام ہے۔

۶۔ مقدمات عدالت میں اگر کسی عضو کے دیکھنے کی ضرورت ہو تو جائز ہے (امام صاحب نے اس کی تفصیل کی ہے لیکن میں نے عمداً ترک کر دی ہے۔)

۷۔ اگر وہ آگ میں جل رہی ہو یا پانی میں ڈوب رہی ہو تو اس کو بچانے کے لئے

دیکھنا جائز ہے۔ (۱۰)

(۱) تفسیر امام زاری جلد ششم طبعہ مئۃ ۳۶۵ و ۳۶۶۔



بے پردگی کے نتائج

اسلام نے مسلمان عورتوں پر پردہ کی جو پابندیاں عائد کی ہیں اور ان کے خلاف اس وقت پر پردہ درمی کی جو خواہش بعض لوگوں میں پیدا ہو رہی ہے، ہم کو نہایت غور و فکر کے ساتھ ان کے محرکات اور نتائج کا پتہ لگانا چاہیے تاکہ موافق و مخالف دونوں فریقوں کو نظر آجائے کہ نتائج کے لحاظ سے کون حق بہ جانب ہے (درحقیقت مخالفت پردہ کی پہلی محرک ان اخلاقی اور تعلیمی فضائل کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں ہے، جس کا زبان سے دعویٰ کیا جاتا ہے، بلکہ محض یورپ کی عامیہ تعلید ہے کیونکہ انسان فطرتاً تقلید پسند واقع ہوا ہے اور جس کسی کو اپنے آپ سے اعلیٰ و برتر پاتا ہے اس کی ہر ایک بات میں پیروی کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے)۔

راہل یورپ تہذیب و شائستگی، تمدن و معاشرت، علم و فضل، عقل و دانش، دولت و ثروت اور شوکت و شہرت میں اس وقت ہم سے بہ مدارج اعلیٰ و افضل ہیں، اور چونکہ ان میں پردہ کا رواج نہیں اس لئے یہ خیال قائم کر لیا گیا ہے کہ عورتوں کی بے پردگی، تہذیب و شائستگی کا لازمی جزو ہے، اور پردہ ایک غیر مہذبانہ رسم ہے، حالانکہ اگر وسعت نظر سے کام لیا جائے تو اس خیال کی غلطی ظاہر ہے باخبر صحاب جانتے ہیں کہ نہ تو وحشی اور نیم مہذب اقوام کی کل عادات و خصائص

وحشیانہ اور غیر مہذبانہ ہوتے ہیں، اور نہ مہذب و ترقی یافتہ اقوام کے تمام رسم و رواج کو مہذب اور شائستہ کہا جاسکتا ہے، بلکہ ان میں بھی بعض ریسں دورِ جہالت و وحشت کی یادگار باقی رہ جاتی ہیں، اور بہت سی ایسی ریسں ہوتی ہیں جو تمدن کی خرابی اور فساد سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

موجودہ ترقی یافتہ اقوام میں عورتیں قدیم الایام سے جب کہ ان میں تہذیب و شائستگی کا مطلق وجود نہ تھا، اسے پردہ یا ہرچہرتی تھیں اور ابھی تک دنیا میں جس قدر وحشی اقوام آباد ہیں، ان میں پردہ کا مطلق رواج نہیں ہے، جیسا کہ کم از کم ہندوستان میں بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے، دنیا میں صرف مسلمان ہی وہ قوم نہیں ہیں جن کے ہاں عورتوں کا پردہ ضروری ہے بلکہ اقوام دنیا کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے پہلے دنیا میں جس قدر قومیں گزری ہیں ان کے زمانہ ترقی کی افراط و تفریط کی حالت میں یہ رسم توڑی گئی ہے اور ان کے اعتدالِ تمدن کے زمانہ میں ہی رسم اُن کی عورتوں کے اخلاق کا زیور رہی ہے لیکن جب افراطِ تعیش سے اُن کے تمدن کا توام بگڑ جاتا ہے اُس وقت زن و مرد کا بے قید و حیل جول اُن میں رائج ہو کر اُن کے اخلاق کو جس پر اُس کی ترقی کا مدار تھا غارت کر دیتا ہے۔ روم، ایران، مصر، قدیم بابل، عربِ قدیم، ہندوستان اور ترک اس حقیقت کے گواہ ہیں۔

قدیم مصر اور بابل کے دورِ تہذیب و ترقی میں پردہ کا رواج تاریخ سے ثابت ہے۔ عرب میں ابتداً جب تک اس پر تہذیب و شائستگی کا پرتو نہیں پڑا تھا عورتوں میں

پردہ کارواج نہ تھا۔ لیکن جب ان میں (قبلِ اسلام) کچھ کچھ شائستگی و تمدن کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے تو عورتوں میں بھی پردہ شروع ہو گیا تھا۔

قدیم زمانہ میں ایران میں رسم پردہ مطلق نہ تھی، رفتہ رفتہ زمانہ اعتدال تمدن میں پردہ کارواج ہوا اور عورتیں نقاب پوش ہو گئیں، شامنامہ جو پارسیوں کے قدیم تمدن و معاشرت کی صحیح تاریخ ہے اس میں جا بجا اس کا ثبوت ہے یہ زمانہ ایران کی قدیم تہذیب شائستگی کا تھا۔

رومی قوم کے دورِ جہالت و وحشت میں پردہ کی رسم نہ تھی بلکہ ان کے دورِ تمدن و شائستگی میں قائم ہوئی اور عرصہ تک قائم رہی، آخر زمانے میں اس کا خاتمہ ہو گیا، اور یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس قوم کے اسبابِ تنزل میں ایک قوی سبب رسم پردہ کا اٹھادینا بھی تھا۔

اسی طرح ہندوستان میں غالباً راجہ راجندر جی کے زمانہ میں ہندو عورتیں پردہ میں رہتی تھیں اور دہلی کا رواج اُسی وقت سے ہوا، یہ زمانہ ہندوستان کی قدیم تہذیب کے شباب کا زمانہ تھا۔

ترکی قوم کی تاریخ سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان میں پردہ کی رسم دورِ ترقی و تمدن میں قائم ہوئی، جو قریب زمانہ تک پورے طور پر قائم تھی، اور حریت کے بعد اُس میں زوال شروع ہوا اُن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ تہذیب و شائستگی کی علامت اور بے پردگی دورِ جہالت و وحشت کی یادگار ہے۔

محض ترقی یافتہ اقوام میں بے پردگی کا رواج دیکھ کر ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ہماری رسم پردہ کوئی معیوب یا قابل اعتراض رسم ہے، یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ کہ بے پردگی سے ہمارا شمار مذہب اقوام میں ہونے لگے گا۔ کسی رسم یا قومی خصوصیت کے چھوڑنے کے لئے محض تقلید کافی نہیں ہے، بلکہ کافی غور و فکر کی بھی ضرورت ہے۔

(بلاشبہ وہ رسمیں جن میں مضرتیں پائی جاتی ہیں، ترک کرنے کے قابل ہیں، لیکن وہ رسمیں جو رہنمائے احکام مذہب ہوں، اور جن میں طرح طرح کی مصلحتیں مضمر ہوں، نہ ترک کی جاسکتی ہیں اور نہ ان میں خفیف سے خفیف کوئی مضرت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مذہب کا مدعا تو انسان میں اخلاق فاضلہ پیدا کرنا ہے اور اخلاق فاضلہ کبھی مضرت رسان نہیں ہو سکتے، مذہبی احکام و شعائر کے علاوہ اپنی قومی رسوم اور خصوصیات کو غیر قوم کی تقلید یا ظنی و قیاسی منفعتوں کی امید پر ترک کرنا اپنی قومیت کو مٹانا ہے اور یہ کبھی عقلمندی نہیں ہو سکتی کہ صرف ظاہری باتوں کو دیکھ کر انسان فوراً ایک قومی قیاس قائم کرے، البتہ اگر کوئی رسم مضر ہو یا اس میں نفع کے مقابلہ میں ضرر زیادہ ہو تو اس کو ترک کر دینا چاہیے، لیکن اس کے فیصلہ کے لئے اجتماعی طور پر غور و فکر اور گذشتہ اقوام کی تاریخ سے استفادہ کی ضرورت ہے، کیونکہ تاریخ کا مقصد ہی یہ ہے کہ گذشتہ قوموں کے اسباب عروج و تنزل سے موجودہ قومیں نتائج اخذ کر کے نصیحت و عبرت حاصل کریں، اور جو اعمال و رسوم ان کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں انھیں اختیار کریں، اور جو تنزل کا سبب ہوں، ان سے محترز رہیں،

تاریخ مختلف اعمال کے جو نتائج پیش کرتی ہے انہیں سزا و جزا کے قدرتی قوانین کی نظیر سمجھنی چاہیے، اسی لئے قرآن مجید میں نصیحت کی گئی ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرُ
مِنْهُمْ وَاشْهَدُوا قُوَّةً وَأَنذَرُونِي الْأَرْضِ -
ان سے پہلی قوموں کا کیا انجام ہوا، جو ان سے
تعداد میں قوت میں، اور یادگاروں کے لحاظ

سے بڑھ کر تھیں،

تاریخی شہادت | پردہ کی جو مضمریں بیان کی جاتی ہیں، ان کے مقابل بے پردگی کے
خطرناک نتائج کو بھی خصوصیت کے ساتھ پیش نظر رکھنا چاہیے، بے پردگی کا وہ نتیجہ
جس کا تاریخ رومنہ الکبرنی باؤرلیندا اعلان کر رہی ہے۔ بطور اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے

”رومانوں کی عورتیں بھی اسی طرح کام کاج کو پسند کرتی تھیں جس طرح مرد پسند کرتے ہیں اور
وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں، ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان
جنگ میں سرفروشی کرتے تھے خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں
کے اہم کام یہ تھے کہ وہ سوت کاتیں اور اس کو صاف کر کے کپڑے بنائیں رومانی عورتیں بہت
سخت پردہ کیا کرتی تھیں، یہ سائنک کہ ان میں جو عورت وایہ گری کا کام کرتی تھی وہ بھی
اپنے گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی اور اس کے اوپر ایک
موٹی لمبی چادر اوڑھتی، جو ایڑی تک لٹکتی رہتی پھر اس چادر پر بھی ایک عبا اوپنی جاتی،“

جس کے سبب سے اُس کی شکل کا نظر آتا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں جبکہ رومانیوں کی عورتیں پردہ میں رہا کرتی تھیں اس قوم نے ہر فن اور جگہ کمالات میں بے نظیر ترقیاں کیں، بت تراشی، عمارت سازی، فتوحاتِ ملکی، سلطنت و حکومت، عزت و عظمت اور علم و ہنر میں ساری دنیا کی قومیں رومانیوں کے مقابل میں چھ ہو گئیں لیکن اس مرتبہ پر پھونچنے کے بعد ان میں عیش پرستی اور کھیل و تفریح کا شوق پیدا ہوا، جس کے ضمن میں انھوں نے اپنی عورتوں کو پردہ کی قید سے آزادی بخشی تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ لہو و لعب اور سر و تفریح کی مجلسوں و گھلوں اور اکھاڑوں میں شریک ہوں، یہاں تک کہ وہی عورتیں جو سات پردوں میں رہا کرتی تھیں، تھیٹروں میں جانے لگیں، بال اور رقص کے جلسوں میں عورتوں کے ناچنے اور گانے کا شغل ایجاد ہوا، آخر عورتوں کی حکومت اس قدر قوی ہوئی کہ جو نامور مہتممِ برٹلی اور انتظامِ سلطنت کے لئے پارلیمنٹ یا سینٹ کی مجلس میں ممبر منتخب ہو کرتے تھے وہ بھی عورتوں کے ووٹ حاصل کرنے سے مقرر ہوتے اور ان کے معمولی اشاروں پر اپنے عہدوں سے معزول کر دئے جاتے، پس یہ حالت ہوتے ہی رومانی حکومت کی بربادی شروع ہو گئی اور اُس پریسی تباہی آئی کہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو بالخصوص اس بات کو دیکھ کر حیرت زدہ اور سہوت ہو جاتا ہے کہ رومانی حکومت کے اس شاندار قصر اور محکمہ عمارت کی ان ہی عورتوں کے نازک ہاتھوں نے کس طرح

ایک ایک اینٹ اٹھیر کر کھدی، اور اُس کی ساری عظمت و متانت ناک میں ملا دی کیا یہ بات عورتوں نے اپنی بدیتی اور بد اخلاقی سے کی نہیں ان کا اس میں قصور نہ تھا مگر بات یہ ہوئی کہ جب انھیں بے پردہ بنایا گیا تو باقتضائے فطرت مردانہ مائل ہونے لگے اور اس کے لئے آپس میں کٹنا مرنے شروع کیا، یہ ایک ایسی سیاسی حقیقت ہے جس کے ماننے میں کوئی شخص بحث ہی نہیں کر سکتا۔

رومانی جمہوری حکومت کے پچھلے دور میں مدرانِ سلطنت اور اعیانِ مملکت نازک مزاج اور عیش پسند عورتوں کی صحبت بہت پسند کرنے لگے تھے۔

عورتوں میں عیش پسندی اور بناؤ سنگار کی مجبوزانہ محبت صرف اس زمانہ میں بڑھی جو رومن کی حکومت شاہنشاہی کا دور تھا۔ ورنہ جس وقت رومانی سلطنت ایک جمہوری حکومت تھی ان دنوں عورت کی زندگی منزلی دائرہ میں ہی محدود تھی اور وہ گھر میں بیٹھی ہوئی اُون کا سوت کانا کرتی تھی مگر رومانیوں میں پسندی کو رفتہ رفتہ ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ مشہور رومانی فلاسفر کاٹن، اپنی قوم کو اس خطرہ سے ڈرانے پر کمر بستہ ہوا۔ جو ایک دن ان پر پر بادی لانیوالا تھا۔ اس زمانہ میں کاٹن نے وہی کام کیا جو آج ہمارے ممالک میں پردہ نسواں کے طرفدار کر رہے ہیں، سچ ہے تاریخ پلٹ پلٹ کر اپنا جلوہ دکھاتی ہے مگر کاٹن کی نصیحت اس وقت مفید نہ ہوئی، چنانچہ اس کے تھوڑے ہی دن کے بعد رومانیوں کی امارت کے ٹھاٹھ اور ان کی عشرت پرستی

مدت گز گئی۔

کاٹن نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

»روما کے رہنے والو! کیا تم کو یہ وہم پیدا ہو گیا ہے، کہ اگر تم عورتوں کو ان بندشوں کے توڑ پھینکے کی قوت دو گے جو انھیں اس وقت پوری طرح خود مختاری نہیں دیتیں، اور جو انھیں مجبور اپنے شوہروں کا مطیع بنائے ہوئے ہیں تو ان کی ناز برداری اور رضامندی آسان ہوگی، کیا آج باوجود ان بندشوں کے بھی ہم ان سے بمشکل ان فرائض اور واجبات کی پابندی نہیں کر سکتے جو ان کے ذمہ رکھے گئے ہیں، کیا تمھارے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ آگے چل کر عورتیں ہماری برابری کا دعویٰ کرینگی اور ہم کو اپنی اطاعت پر مجبور کر لیں گی، تمھیں بتاؤ کہ عورتوں نے جو شورش برپا کی ہے اور جدید بغاوت انگیز اجتماع کیا ہے وہ اپنے تئیں اس جرم سے بری ثابت کرنے کے لئے کون سی مقبول حجت پیش کر سکتی ہیں۔«

»سنو! انھیں عورتوں میں سے ایک عورت نے خود مجھ کو یہ جواب دیا تھا کہ ہماری خوشی یہ ہے کہ ہم سر سے پاؤں تک سونے میں لٹھی ہوئی اور خوشامقام مزی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تہواروں کے دن اور تمام دوسرے دنوں میں بھی شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر سیر کریں اور خوشامقام گاریوں پر سوار ہو کر مس مسوخ شدہ قانون پر جس کا منشا یہ تھا کہ عورتیں بہت مبتذل تھیں، اپنی فحش مندی ظاہر کرنے کے لئے سیر کر لیں، ہماری خواہش ہے کہ جس طرح تم مردوں کو انتخاب حکام کی آزادی

ایسی ہی ہم کو بھی آزادی ملے، ہمارے ووٹ لئے جائیں اور ہمارا یہ بھی مقصد ہے کہ ہمارے انراجات اور زرب ذریت کے سامان کی کوئی حد مقرر نہ ہو۔

رومانیو! تم نے مجھے اکثر مردوں اور عورتوں کی فضول خرچی کا شکی پایا ہو گا۔ بلکہ میں نے عام لوگوں اور خود قانون دان اور قانون ساز صحاب کی فضول خرچی کی بھی شکایت کی ہوگی تم نے میری زبان سے اکثر یہ بات سنی ہوگی کہ ہماری جمہوری حکومت دو متناقض بیماریوں میں مبتلا ہے ایک کنجوسی اور دوسری عیش پسندی، یاد رکھو کہ ان ہی دونوں بیماریوں نے بڑے بڑے تمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کا ستیا ناس کر ڈالا ہے اور ڈرو کہ وہی روز بد تم پر بھی آنے والا ہے۔

کاٹن کی اس نصیحت پر یقیناً متعزضین اعتراض کریں گے کیونکہ اس نصیحت میں جنسی تھب کی جھلک ہے ان الفاظ سے کہ کل کو یہ (عورتیں) ہماری (مردوں کی) برابر کی کا دعویٰ کرتی ہیں وہ جھلک صاف نمایاں ہے اور اس کی نصیحت کا مطلب اصل فوت ہوتا ہے لیکن میں جبکہ اپنی جنس کو پردہ کی جانب توجہ دلا رہی ہوں صاف طور پر اس امر کا اظہار کرنا چاہتی ہوں کہ بے شک ہماری جنس کو نصف رجال سے علیحدہ ہی رہنا چاہیئے کیونکہ عورت اور مرد کے آزادانہ جمع ہونے سے فطرت انسانی ضرور ایک قسم کا ایسا سیلان پیدا کرے گی جس سے مرد کا روبرو تمدن کے حقیقی مفہوم سے دور ہو کر عیش و عشرت کی جانب مائل ہو جائیگے، اور قدرت کا وہ اصل مقصد **وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ** **اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّيَسْكُنُوا اِلَيْكُمْ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً** فوت ہو کر وہ فرق

مٹ جائیگا جو انسانیت اور برہمیت میں ہے۔

حقائقِ حاضرہ

تاریخِ قدیم کے اس عبرت انگیز نتیجے کے بعد ہم کو زمانہ موجودہ کی اقوام اور ممالک کی حالت بھی نظر کے سامنے رکھنی چاہیے جس سے اور بھی مفید نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں، اس سلسلہ میں وہ ممالک اور وہ قومیں مثلاً بحر ہیفک اور آسٹریلیا کے جزائر تبت، برہما، ابی سینا وغیرہ، دائرہ غور سے خارج ہیں کیونکہ ہم ان کی وحشت و جہالت کے باعث تقلید کرنا نہیں چاہتے اور ان کی اس حالت سے اپنی حالت کو بہتر سمجھتے ہیں، البتہ ان ممالک و اقوام کی حالت ہمارے لئے قابلِ غور و مطالعہ ہے جو دولت و تمدن، علم و انصاف اور بہت سے عمدہ اخلاق اور شریفانہ اوصاف میں ہم سے برتر اور بہتر ہیں، اور فطرتاً ہمارا دل چاہتا ہے کہ ان کی سی خوبیاں ہم میں پیدا ہوں، اور اسی خواہش کے سبب سے مسائلِ نسواں میں بھی ان کی تقلید کے آرزو مند ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغربی تمدن و معاشرت میں عورت کی آزادی مردوں سے آزادانہ میل جول تمدنی زندگی میں افراط کے ساتھ حصہ لینے کی کوشش اور بے پردگی کے نتائج مفسر کا مجموعہ عبرت بصیرت کے لئے قابلِ مطالعہ ہے۔ خود ان ممالک کے وسیع النظر اشخاص جنہوں نے اپنے ملک کے مختلف طبقات کی اس حالت کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے، ایسے نتیجہ پر

متأسف ہیں اور اصلاح کی تدابیر کر رہے ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ بے پردگی یا آزادی نسواں کے ان نتائج کا جو اس باب میں اختصار و اجمال کے ساتھ مرقوم ہیں، مطالعہ کیا جائے، یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ کسی قوم و ملک کے تمام افراد پر ان نتائج کا اطلاق نہیں ہو سکتا، ان میں ایک معقول جماعت کے افراد عفت و عصمت نیکی و اخلاق اور مذہب و حیا کے بہترین نمونے بھی ہیں جن سے اصلی تہذیب کی عظمت و حرمت قائم ہے لیکن چونکہ قوم و ملک اپنے ہر درجہ کے تمام افراد پر ہر طبقہ کے کل باشندوں کا مفہوم ہے، اور مصلحین ملک و قوم کا روئے سخن عام ہوتا ہے، اور عموماً ہی پر بحث کی جاتی ہے اور جن کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں، ان میں بھی مستثنیات کا ذکر نہیں ہے، اس لئے ہم بھی مستثنیات کو خصوصیت کے ساتھ نمایاں کرنے سے معذور ہیں لیکن اس کتاب میں وہی مضامین اقتباس کئے گئے ہیں جو سب سے زیادہ نرم اور خواتین اسلام کے مطالعہ کے لئے موزوں ہیں،

سوشل حالت | ہوم سائیکلو پیڈیا یا مطبوعہ ۱۹۱۷ء Home Cyclopaedia 1917.

کا مصنف سوشل حالات پر ایک بڑی بحث کے بعد لکھتا ہے۔

اب ہم ان بڑے اطوار اور کاموں میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں جو کہ پریکل کے زمانہ کے یونانیوں کے تھے، مگر ہم ان کی سی نیکی، صاف دلی اور ایسا نڈاری اختیار نہیں کرتے، آج کل مرد اور عورتوں کی اخلاقی حالت بہ نسبت یونانِ قدیم کے

باشندوں کے بہت زیادہ اہتر ہے۔

کیا مرد اور عورتوں میں ایک وسعت پذیر نیکی کی طرح اخلاق ہے؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟ یہ ہمارے بڑے شہروں میں نہیں ہے وہ اس سے ایسے ہی معرا ہیں جیسے روما اور ایتھنز کے شہر اگسٹن کے زمانہ میں تھے جبکہ لوگوں کے ناجائز تعلقات کو روکنے میں قانونی سزائیں بغیر تدابیر کے ناکام رہیں۔

مسٹر جوس سیمان Mr. Jules Simon نے اپنے جو خیالات ہیں الاقوامی کانفرنس منعقدہ برلن میں عورتوں کی مزدوری کے مسئلہ پر ظاہر کئے تھے ان کو مسٹر مارگرٹ ریو ایل ایڈم Mr. Hargrave. L. Adam. نے اپنی کتاب دوین ٹینڈر کرائم Woman and Crime میں پیش کیا ہے الفاظ نقل کیا ہے

اس اصلاح سے اخلاقی اور مادی دونوں قسم کی بہبودی ہمارا مقصد ہے ہم کو صرف انسان کی جسمانی بھلائی کی وجہ سے مد نظر نہیں ہے کہ ہم بچوں، جوانوں اور عورتوں کو زیادہ مشقت سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ یہ بھی غرض ہے کہ عورت کو گھر کی طرف واپس کریں اور بچہ کو اس کی ماں دیدیں کیونکہ محبت اور ادب کے سبق جو عمدہ شہری بناتے ہیں صرف اسی سے سکھے جاتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ بد اخلاقی کے راستہ میں رکاوٹ پیدا ہو، جس کی طرف انسان کا دل

خانگی تعلقات میں خرابی پیدا ہوجانے کی وجہ سے ماں ہو رہا ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس نقل کرنے کے بعد مصنف مذکور لکھتا ہے۔

جس وقت یہ الفاظ کہے گئے تھے اُس وقت سے اب تک سوسائٹی کی حالت اور بھی زیادہ اتہر ہو گئی ہے اور وزیرِ وزردی ہوتی جاتی ہے، عورتیں باریستا بلانہ زندگی کی ذمہ داریوں اور فرائض سے دور پڑتی جاتی ہیں، اور متواتر نہایت ذلیل اور مفرط اخلاق معاملات اور کاروبار میں شریک ہو کر قعرِ ندلت و آلودگی میں گری ہوئی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فہرستِ جرائم میں بالواسطہ یا بلا واسطہ وزیرِ وزردی عورتوں کی زیادتی ہوتی جاتی ہے اور یہ حالت اُن مقامات میں زیادہ پائی جاتی ہے، جہاں عورتیں شمار میں زیادہ ہیں،

معاشرتی انقلاب | یورپ کی معاشرتی حالت میں جو انقلاب ہوا ہے اور سوسائٹی کی حالت میں جو تغیر ہو گیا ہے وہ بھی اسی آزادی اور میل جول کا نتیجہ ہے اور اس سے جس طرح مرد اور عورت کی زندگی بسر ہو رہی ہے وہ خاندان کی خوشیوں اور اوصاف انسانی کو زائل کر دیتی ہے اسی حالت پر ایک قابلِ مضمون نگار لیڈی فرانسس بالفور Lay Francis Balfour نے ”معاشرتی زندگی کے

تنزل“ کے عنوان سے نہایت حسرت ناک طریقہ سے لکھا ہے کہ

(ہم آجکل یہ بات اچھی طرح محسوس کر رہے ہیں کہ ہماری خانگی زندگی بہت گھٹتی جا رہی ہے)

جہاں شام ہوئی اور ہر طبقہ کے لوگ، تفریح گاہوں تھیٹروں، اور اسی قسم کے دوسرے دلچسپ سیر و تماشہ کی جگہ چلے جاتے ہیں اور پھر صبح تک ان کو اپنے گھر بار کی خبر نہیں رہتی،

مالدار اور امیر لوگ تو ان تھیٹروں اور ناچ گھروں میں اور غریب مزدوری پیشہ لوگ ادھر ادھر کی کوچوں میں یا ایسے مقامات میں جہاں عکسی تصویروں کے تشا اور معمولی کمبل ہوتے ہیں، بھونچکا اپنا وقت گزار دیتے ہیں، یا بڑے بڑے باغوں میں ٹینس، کرکٹ، باکی وغیرہ کے مشغلوں میں رہا کرتے ہیں۔

چرانے وقتوں میں یہ دستور تھا کہ جہاں شام ہوئی، گالوں بستی کے راستے بند ہو گئے کیونکہ جب نہ روشنی کا انتظام تھا، ورنہ کسی قسم کی اور کوئی تفریح میسر آتی تھی شام سے بستی کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں گھس جاتے اور بال بچوں میں تھوڑا سا وقت ہنسی خوشی سے گزار کر سو جاتے تھے، کوئٹہ و کٹوریہ کے شروع عہد حکومت میں درباری لیڈیز اور سٹیلین جو قیصرہ ہند کی خدمت پر مامور تھے شام کے وقت ایک گول میز کے گرد بیٹھ جاتے اور یا تو باؤز بند کوئی کتاب پڑھتے یا دستکاری میں مصروف ہو جاتے، یا کسی معاملہ پر گفتگو کرتے تھے، اگر ہم Miss

Edgeworth اور Miss Austen کے اس زمانہ

کے ناول دیکھیں تو ہمیں شام کے نظارے میں یہ نظر آئے گا کہ آتش دان کے سامنے میز پر لمپ جل رہا ہے اور میز کے آس پاس ایک خاندان کے تمام رکن بیٹھے ہوئے

ہیں، اُس وقت کا یہ روزانہ معمول تھا، بچے سونے سے پہلے اپنے دن کے پڑھے ہوئے سبق یاد کرتے تھے، لڑکیاں سوزنکاری اور پہلی ڈرائنگ وغیرہ میں مصروف ہوتی تھیں اور مکان کو یا خاندان کے باہمی تعلقات اور اپس کے میل جول کا ایک مرکز ہوتا تھا، جہاں شام کو گھر کے سب لوگ ایک جا ہو کر تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے اور گھر کے تمام کاروبار میں ہر چھوٹا بڑا ایک دوسرے کی مدد کرنا اپنی زندگی کا خالص فرض سمجھتا تھا، اور اگر یہ کہا جائے کہ اُس وقت کی خاندانی زندگی ایک محدود دائرہ کے اندر تھی اور ان میں شخصی آزادی کا حصہ نام کو نہ تھا تو ہم کہیں گے کہ موجودہ اصول خانہ داری اور طریق بود و باش جو آج کل ہماری خانگی زندگی میں ہے اُس وقت کی خانگی زندگی سے بدرجہا بدتر اور تباہ کن ہے۔

یہ ضرور ہے کہ ہم موجودہ ارتقاء حیات کی رو سے اُس پہلی حالت کو واپس نہیں لاسکتے، اور اب ہماری بستیوں اور رہنے سنے کے مقامات اُن خطرات سے بالکل محفوظ ہو گئے ہیں جو پہلے قدم قدم پر پہنچو نظر آتے تھے، یعنی سڑکوں، بازاروں، گلیوں میں روشنی کا انتظام ہے، چوروں بد معاشوں کے لئے حفاظتی پولیس پہرے چوکی پر مقرر ہے، ادھی رات کو پولیس کے افسر عیال کی حفاظت اور نگرانی کے لئے گشت کرتے ہیں، رات کی ہوا صحت کے واسطے مضر نہیں سمجھی جاتی، مرد، عورت، لڑکے، لڑکیاں، جوان، بوڑھے، پہلے سے

زیادہ میل جول کے خواہشمند پائے جاتے ہیں لڑکے، لڑکیاں ایک ساتھ مدرسوں میں پڑھتی لکھتی ہیں، غرض ہماری زندگی کا بہت بڑا حصہ ماں، باپ کی نگرانی، اور اثر سے آزاد ہو گیا ہے، مگر یہ امر ہرگز بھولنا نہیں چاہیے، کہ قوم کا جبرو اعظم خاندان ہی ہوا کرتا ہے، اور یہی خاندان آنے والی نسلوں کا گوارہ بن جاتا ہے، اسی گوارے میں قوم کے منتخب اور سربرآوردہ لوگ نشوونما پاتے ہیں، اگر ہم خاندان کا شیرازہ توڑ دیں، بیاہ، شادی کے فرائض کو نظر انداز کر دیں ماں، باپ کی تنظیم اور گھر کے رکھ رکھاؤ کو پس پشت ڈال دیں تو ہماری معاشرتی زندگی کے وہ ستون گر جائیں گے جن پر خانہ داری کی عمارت قائم ہے، عیسائی مذہب میں خاندان کو بہت بابرکت اور بلند مرتبہ کہا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ اس مذہب میں شادی کی مثال ایسی ہے، جیسے خدا اور بندے کے درمیان روحانی تعلق ہوتا ہے، جس چیز کو خدا نے اس طرح ہمارے سپرد کیا ہوا اور اُس کے اخلاقی فرائض ہم پر واجب کر دئے گئے ہوں اُن کو تنگ نظری اور بے توجہی سے دیکھنا انسان کی بربادی کا باعث ہے جب ہم اپنے بڑے بڑے شہروں اور دیہاتوں کی عام اخلاقی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو کیا ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم لوگوں میں گھر کے رکھ رکھاؤ اور خانگی زندگی کے قاعدے بالکل بدل گئے ہیں اب صرف تصویروں ہی میں سیاہی عورتیں اپنے بچوں کو گود میں لئے ہوئے نظر آتی ہیں، مگر واقعات اور حالات بتاتے ہیں کہ بچے، ماؤں کے لئے بڑے بڑے شراب خانوں کے

باہر مڑکوں پر چپختے، بکلتے دکھائی دیتے ہیں، لڑکیاں ایسی کم عمری میں جب ان کو یہ بھی تمیز نہیں ہوتی کہ وہ اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ میں کوئی فرق کر سکیں لڑکوں کے ساتھ شارع عام پر ایسے ایسے کھیل کھیلی ہیں، جو ان کو دیکھتے ہوئے مسموم بچوں کے کھیل نہیں معلوم ہوتے نوجوان عورتیں ایسے مردوں کے ساتھ غلاماں رکھتی ہیں، جو ان کی شادی کے قابل اور کم مایہ بھی ہیں، بلکہ اپنی اخلاقی و مالی حیثیت سے بھی تباہ و برباد ہیں اور ان لوگوں کا وجود ایسی عورتوں کے لئے نہایت ضرر رساں ہے۔

اس موقع پر ہم اُس پرانے قاعدے کو لگتے ہیں، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچوں کو گھر میں رہنا چاہیے اور انہیں وقت پر سونا چاہیے اور ماؤں کو اپنے بچے کی پوری دیکھ بھال، اور خبر گیری کرنی چاہیے، مگر جب ہم اپنے گھروں کی موجودہ حالت دیکھتے ہیں، تو نہ شام کے وقت ہم کو گھر کے آدمیوں ذیلی ممبرس *Family Members* کا جمع نظر آتا ہے نہ چالے پر ماؤں کو پاتے ہیں، اور باپ کو گھر سے ایسا غائب دیکھتے ہیں کہ گویا اُس کو اپنے بال بچوں اور گھر و گرتی سے کچھ محبت اور کوئی تعلق ہی نہیں، ہمیں بچوں میں نقصان بھونچانے والی آزادی نظر آتی ہے اگر ہم اس حالت کو نہیں بدل سکتے اور والدین کو یہ نہیں سمجھا سکتے کہ گھر کی غور و پرداخت ان کا پہلا فرض ہے، تو کم از کم ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے بال بچے شام کے وقت اپنی حالت کو خراب اور تباہ کرنے سے باز ہیں، یہ درست ہے،

کہ ہمارے بزرگوں کے وقت میں سوسائٹی میل جول کے ان اسباب اور ذرائع سے محروم تھی اور جب یہ باتیں موجود نہ تھیں، جو آج ہماری سوسائٹی کی ریح رواں بنی ہوئی ہیں لڑکوں کے لئے آج کل، بوائے اسکواڈ کے بیڈ، Boy Scouts Band اور بولے بریگیڈین Boy Brigades اور لڑکیوں کے لئے ہر عقلی و جسمانی ترقی کی راہیں کھلی ہوئی ہیں، اب والدین کا فرض ہے کہ بچوں کو ان ہی راہوں پر چلائیں، دن کے وقت تو بچے مجبوراً اسکول میں جا کر تعلیم پاتے ہیں، کیا یہ والدین کا فرض نہیں ہے کہ اسکول کے بعد شام کے وقت ان کی نگرانی اور دیکھ بھال کریں، میں یہ نہیں کہتی کہ بچوں کو کھین، کود سے روکا جائے مگر یہ ضرور کموں گی کہ بچوں کو ان ہی جگہوں اور جماعتوں میں شامل ہونا چاہیے، جن کے ممبروں کا یہ فرض ہے کہ خدا کی اطاعت کے ساتھ اپنے خاندان کی عظمت اور والدین کی تالعداری کو قائم رکھیں، موجودہ ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں یہ ضرور کہوں گی کہ سوسائٹی میں جو کمزوری پھیلی ہوئی ہے اور ہر شخص خدا کو بھلا کر اپنے فائدے کا خواہاں ہے اس کا فوری انسداد ہونا چاہیے، ہر انسان کو لازم ہے کہ اخلاقی، سلمہ سے اپنے جسم کو آراستہ بنائے، شراب خواری، عیاشی، بیہودہ مذاق اور عیش و عشرت نے دنیا کو آج کل خطرہ میں ڈال رکھا ہے، یہ ایسی بُری عادتیں ہیں جنہوں نے صرف اگلی قوموں کو تباہ نہیں کیا، بلکہ موجودہ خرابی کو پیش نظر رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ہلاکت اور بربادی کے بھی یہی

اسباب ہیں اب ہماری قومی زندگی کے بچاؤ کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ ہم میں ہر فرد اپنے اپنے فائدان، اپنے اپنے گھربار کی صلاح اور درستی کی طرف متوجہ ہو اور اپنی گذشتہ وقار و عظمت کا ہمیشہ لحاظ رکھے، اور اس کی یاد کو فراموش نہ کرے۔

یہ حالت کس درجہ قابل افسوس ہے کہ عورت اپنے صنفی اور ازدواجی زندگی کے فرائض کو نظر حقارت سے دیکھتی ہے اور بیرونی زندگی میں قدم رکھتے ہی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور گھر کا امن و خلل میں پڑ جاتا ہے یہ ابتلا اور مصیبت محض قانون فطرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے مسٹر ڈاکٹر س ڈکورتھ *Sir Dyce Duckworth, Bt.*

نے اپنی ایک کتاب میں بیسویں صدی کی عورت، کے زیر عنوان جو خیالات ظاہر کیے ہیں وہ عورتوں کے فرائض کے متعلق نہایت دل چسپ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ،

چند پر جوش لوگ دروازے کھول دیں گے اور عورت کو آزاد کر دیں گے تاکہ وہ ایسا کام جو انسانی دماغ اور جسم سے ہو سکتا ہے کر سکے۔ اس کی میں سخت ترین مخالفت کرتا ہوں۔ اور میرے نزدیک عورت کو کبھی اس کام میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہئے جو اس کے لئے موزوں نہیں ہے۔

ترقی کے کیسے ہی مدارج کیوں نہ گذر جائیں لیکن ضرورت ہے کہ ہماری عورتیں عورتیں ہی رہیں۔

۱۵ ویوز آں سم سوشل سبجکٹس صفحہ ۷۴ تا ۸۷ مطبوعہ ۱۹۱۵ء

Views on some social Subjects

اس کی ہم کو کیوں ضرورت ہے ؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ دنیا میں عورت کا کام عورت ہی کر سکتی ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔

ہم سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک تندرست عورت اپنے کام کو تھوڑے وقت میں پورا کر کے دوسرے کاموں میں مصروف ہو سکتی ہے۔ اس کا ہم صاف یہ جواب دیں گے کہ خوش قسمت ہے وہ عورت جس میں یہ قابلیت اور مادہ ہو۔ خوش نصیب ہیں وہ بہنیں اور بیٹیاں۔ بہت خوش نصیب ہیں وہ بیویاں اور مائیں جو زسری اور گھر کا کام انجام دیں اپنے بچوں کی ساتھی اور رہنما بنیں۔

اپنے خاوند کی مونس ہوں اور پھر اُس پر مردوں کے مقابلہ میں دنیا کے امور میں حصہ لیں، زبان کی خدمت کریں، صنعت و حرفت کے کام کریں، اور نوع انسان کی بہلائی میں کوشش کریں۔

میری رائے میں ذہنی نسواں کا سب سے بڑا دشمن عورت کا ہر کام میں حصہ لینا ہے۔ اور اس سے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اپنے حقیقی فرائض کے دائرہ سے باہر نہ ہو جائے۔ اس موقع پر اپنی یہ رائے بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ عورت اپنے کام پر ایٹمیٹ طور پر انجام دے نہ کہ پہلاک طریقہ پر۔ میں دونوں اصناف کے مساوات کا قائل ہوں، ہر جنس ایک دوسرے پر فضیلت رکھتی ہے کوئی کسی سے کم نہیں لیکن ان میں جو فرق ہیں وہ مثل خدائی احکام کے غیر متزلزل ہیں۔ اور جن کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ دنیا میں مرد کو بہت کام کرنے ہیں۔ اور

عورت کو بھی بہت کام کرنے ہیں۔ لیکن مرد عورت کے کام نہیں کر سکتے اور نہ عورت مرد کا کام کر سکتی ہے۔

(زمانہ حال کا ایک اہل قلم لکھتا ہے کہ ”دنیا کے کاموں میں پلیٹ فارم پر شکار گاہوں میں، خانقاہوں میں، تفریح گاہوں میں، عورتیں اغزاز کے لئے کوشاں ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ گھر کا کام کاج کون دیکھے گا، بچوں کو کون پالے گا۔ اور تمام عورتوں کے کام کون کرے گا۔؟ ایک وفادار بیوی ایک بہن اور ماں کی جگہ کون لے گا جو ان تمام ذمہ داریوں کو ایسا اندازی سے انجام دے جیسا کہ عورتوں کو چاہیے۔ وہ کون سی عورت ہے جو ان تمام فرائض کے ادا کرنے کے بعد اتنا وقت بچا لے گی کہ قومی پلیٹ فارموں اور شکار گاہوں میں چمک سکے۔

میں تو کبھی نہیں پسند کرتا کہ عورتیں پبلک میں تقریریں کریں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ عورتیں عورتوں ہی کے کام خوشی سے گھر میں انجام دیں اور میرے نزدیک عورتوں کے لئے پبلک لائف کسی طبع موزوں نہیں۔

زمانہ حال کی چند رایوں کے خلاف میری رائے ہے کہ بائیس برس کی عمر کے بعد عورت کا قدرتی فرض اس کی ازدواجی زندگی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اور کوئی کام دنیا میں کرنا ہی نہیں چاہیے۔ ازدواجی زندگی سے پہلے اور اس کے بعد عورت کا خاص کام تیار داری ہے۔

میں ان لوگوں کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا جن کی یہ رائے ہے کہ عورت کو ہر پیشہ

میں
ان
کو
رہنا
چاہیے

سکھانا چاہئے۔ میں کسی پیشہ کو بھی عورت کے لئے موزوں نہیں سمجھتا۔ چاہے وہ کسی قدر توانا و تندرست کیوں نہ ہوں میں اپنے اصول میں صرف ایک استثناء کرتا ہوں۔ کاکروں کا جو ہندوستان کی پردہ دار عورتوں کے لئے لیڈی ڈاکٹر بنتی ہیں امریکہ کی زندگی نے مجھے سکھلادیا ہے کہ کسی پیشہ و عورت سے ملنا کس قدر ناگوار خاطر ہوتا ہے، مجھے اس میں شک نہیں کہ بعض عورتیں پیشہ اختیار کر سکتی ہیں لیکن میری رائے میں مردوں کے مقابلہ میں اگر وہ اعلیٰ دائرہ نسواں سے باہر ہو جاتی ہیں اور میں نہیں مانتا کہ ہم کو کچھ بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ عورتیں کوئی پیشہ اختیار کریں۔

اگر عورتیں مردوں کے مقابلے میں کھڑی ہو جائیں، تو آگے چلکر ان کو پسپا ہوتا پڑے گا، اور مردوں کے مصائب کی فہرست میں جو اول ہی سے زبردست ہیں اور اضماعہ ہو جائیگا۔ قدرت نے ان کو جسمانی اور دماغی کاموں کے لئے مرد کی طرح نہیں بنایا ہے اور وہ لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں، جو عورت کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اس منہ سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ مناسب وقت پر

لے میں اس رائے سے تم کو اس اختلاف رکھتی ہوں، میری رائے میں ایسے پیشہ جو گھر کے اندر بیٹھ کر یا مردوں سے آزادانہ میل جول کے بغیر اختیار کئے جاسکتے ہیں، ان میں کوئی ہرج نہیں، خصوصاً سائیس بنانا، سلائی، خوشنویسی، جلد سازی، مہلی وغیرہ نرس کا کام تو اپنی ہی اولاد کی پرورش کے لئے ضرور سیکھنا چاہئے۔

خود اس عورت کو بھی آگاہ کر دیں، چند مثالیں اس اصول کے خلاف بھی ملینگی لیکن وہ تو مستثنیات ہیں جو کلیہ کو ثابت کرتی ہیں۔

”علم یکھو، عقل حاصل کرو زندہ اور مردہ زبانیں جانو تاریخ اور ریاضی پڑھو، اگر تمہارے امکان میں ہے، مگر مدد تم کو صاف کھڑے ہیں کہ گھر کے کام کا عملی علم بھی تم کو ہونا ضرور ہے، صرف کتاب کا کٹر ابوجانا تمہارے لئے موزوں نہیں ہے، عورتیں ہی عورتوں کے کام کرتی ہیں، کوئی مرد تو کرے گا نہیں، بہتر ہے کہ کتابوں کو اس وقت تک نہ چھوؤ، جب تک کہ یہ کام مکمل کونہ چھو بیچ جائے ہم پوچھتے ہیں گھر میں کون رہے گا؟ گھر کے کام کا ساتھی کون بنے گا؟ مرد تو اپنے کام سے باہر جائے گا، عورت کو گھر میں ٹھہرنا چاہیے، میں کہتا ہوں ذرا اتنا سوچو کہ مرد باہر کے کام سے گھر واپس آتا ہے، لیکن اس کی زندگی کی ساتھی اپنی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہے اور اپنی دنیا الگ بنا رکھی ہے، نہ گھر کے کام سے غرض نہ گھر والوں کے آرام کا خیال، اگر تم کو کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہے تو ہاتھ اور انگلیوں سے کام لینا بھی سیکھنا چاہیے، میرا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمیشہ موزے بنی رہو۔ زردوزی میں مصروف رہو بلکہ تم کو ان کے بنانے اور مرمت کرنے کا ہنر سیکھنا ضروری ہے کیونکہ یہی عورت کا ہنر ہے۔ اور تمہاری اعلیٰ تعلیم کے یہ معنی نہ ہونے چاہئیں کہ فیشن سیکھو۔ یا ایسا انوکھا لباس پہنو جیسا دوسری عورتیں پہنتی ہوں۔ اپنے ہنروں کو پوشیدہ رکھنے کا ہنر سیکھو، اور خاموش مطالعہ پر قانع رہو

اگر عورتیں مردوں کا کام انجام دیں اور ان کے مشاغل اختیار کرنے لگیں تو جو نتائج نکلیں گے ان سے مردوں کے لیے مجھے بڑا خطرہ ہے۔

میرے نزدیک اعلیٰ تعلیم میں کتابی تعلیم کے علاوہ اور بھی کچھ شامل ہے، نسوانی اوصاف و محاسن میں کمال حاصل کرنا بھی اس کا ایک جزو ہے۔

جو حالت عورتوں کے تمدنی کاموں میں حصہ لینے سے پیدا ہو گئی ہے اور اس سے

جو خطرات رونما ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں اور وائٹر، ڈبلو، ایم، گیلی بن Walter M. Gallichan نے اپنی کتاب زمانہ حال کی عورت اور اس کا

انتظام میں جو بحث کی ہے، اس کا اقتباس پڑھنے کے قابل ہے کہ

آج کل نوجوان عورت اس سب (پڑانے طریقوں) کو بدل رہی ہے، وہ آزادانہ زندگی کے مسئلہ پر گفتگو کرتی ہے، اس کی اکثر خواہش یہ ہے کہ گھر سے بھاگ نکلے اور اپنی روزی بھی خود ہی حاصل کرے، اور وہ اس خیال کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے کہ ازدواجی حالت عورت کی زندگی کا مقصد اور مدعا ہے۔

مرد ہمیشہ سے کہتے آئے ہیں، "عورت نادان ہے اس کی تعلیم میں وقت ضائع نہ کیا جائے"، عورتوں نے اس خیال کو بغیر کسی مخالف کے مان لیا اور اپنے باپوں، بھائیوں، اور خاندانوں کو خوش رکھنے کے لئے نادان ہی بنی رہیں، لیکن اب عورتوں نے ہتھیار اٹھائے ہیں، اب سخت بناوت شروع ہو گئی ہے، لیکن اس

گھر کے امن میں نقص واقع ہوتا ہے میں بیسیوں خاندان تباہ کئے ہوئے ہیں، جہاں برصیت برپا ہے۔

ایک جوان عورت جو اپنی ذات کے اعتماد پر اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اپنی بغاوت کا خمیازہ خود بھگت لیتی ہے، اگر وہ گھر کے اور خصوصاً والدین کے تعلقات اور اثرات سے جدا ہوتی ہے تو مصیبتوں میں پڑ جاتی ہے، اُس کا باپ سمجھتا ہو، ڈرتا ہے، دھمکاتا ہے، اُس کی ماں اپنا سر پکڑ کر روتی ہے اس ”ہوشیار لڑکی“ پر بہت اثر ہوتا ہے لیکن وہ جو ٹھکان چلی ہے وہی کرتی ہے۔

اپنی بیوی کو بلوغ کا کام کرنے کی ترغیب دو، اُسے پھاؤ اور کدالی چلانے دو، اُس گھاس کاٹنے کی مشین چلو، اُو گھر کا کام عورتوں کے لئے نہایت اچھی چیز ہے، میں ان عورتوں کی صحت کو نہایت اچھی حالت میں دیکھا ہوں جو ایک تمام نوکروں کو غلام کر کے گھر کا کام خود کرتی ہیں۔

درمیانی درجہ کی عورت بہت آرام طلب بن جاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس قدر چڑچڑی اور بد مزاج ہوتی ہے کہ اُس کے ساتھ زندگی دو بھر ہو جاتی ہے، جب عورت کو کوئی کام کرنے کو نہیں ہوتا تو وہ اس خطرناک خیال میں کہ وہ ایک عورت ہے مستغرق ہو جاتی ہے۔

(اکثر عاقبت اندیش عقلا نے یورپ و امریکہ اس رائے پر تفریق ہیں کہ عورت کی آزادی اور اُس کا خارجی زندگی میں حصہ لینا سخت خطرناک اور مصیبتوں کا باعث ہے،

وہ اس بات کو منشاءِ فطرت کے مطابق تسلیم کرتے ہیں کہ عورت گھر میں بیٹھ کر اپنے فرائض انجام دے اور اسی میں نوع انسان کی فلاح و بہبودی ہے۔

آمریکہ کا ایک اہل قلم عورت کی یہ تعریف کرتا ہے

”عورت سوسائٹی کی محتاج نہیں وہ خود سوسائٹی ہے، وہ سوسائٹی کا ایک اہم جزو ہے سوسائٹی میں وہی اخلاقی پابندیاں اُس پر عائد ہوتی ہیں جو مرد پر بلکہ اس پر اضافہ یہ کہ وہ محبت اور عزت کی مستحق ہے، لیکن اگر عورت اپنے فرائض کے ادا کرنے میں قاصر ہو تو وہ وہی درجہ رکھتی ہے، جو وہ مرد رکھتے ہیں جو اپنے فرائض ادا نہیں کئے اگر عورت اپنے فرائض پورے پورے ادا نہ کرے تو سوسائٹی کا خاتمہ ہو جائے، اور اگر وہ ان کو پورے پورے ادا کرتی رہے تو بے شک وہ ہر عزت کی مستحق ہے“

جولس سیمان Jules Simon کہتے ہیں۔

(”عورت کو چاہیے کہ عورت رہے، ہاں بے شک عورت کو چاہیے عورت رہے۔ اسی میں اُس کے لئے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اُس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے قدرت کا یہ قانون ہے اور قدرت کی یہ ہدایت ہے اس لئے جس قدر عورت اُس سے قریب ہوگی اُس کی حقیقی قدر و منزلت بڑھگی اور جس قدر دور ہوگی اُس کے مصائب ترقی کریں گے۔)

۱۴ نعل السلطان ماہ اپریل ۱۳۱۵ء جلد ۴ نمبر ۱۱۔

۱۵ ماغوزازہ مرآۃ السیاح صفحہ ۳ بحوالہ ریوٹات ریویوز۔

”کیا شادی ناکام ہو، کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں سوا ایک لڑکی کے خط کا خلاصہ ہے،
 کہ ”بہت سی مصیبتیں جو شادی شدہ آدمیوں کو پیش آ رہی ہیں۔
 اُس کی وجہ غلط تعلیم ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو شادی کے مدعا کی تعلیم
 نہیں دی جاتی، محبت کا جڑا راگ گایا جاتا ہے لیکن ذاتی ایثار جو سچی محبت کے
 معنی ہیں نہیں سکھایا جاتا، اگر اس پر عمل کیا جائے تو وہ افسوس ناک واقعات
 جو اخبارات میں شائع ہوتے ہیں، پیش نہ آتے“

ایک پادری صاحب لکھتے ہیں کہ ”بہت سے مرد اور عورتیں جو شادیاں
 کرتے ہیں ان کو کوئی خیال اس امر کا نہیں ہوتا، کہ شادی شدہ زندگی میں
 کیا تعلقات قائم رہنے چاہئیں..... شادی شدہ مرد اور عورتوں میں
 ناخوشی کے اسباب بہت ہوتے ہیں، لیکن ایک بڑی جماعت میں اس کا سبب
 یہ ہے کہ وفاداری کے ساتھ اس معاہدہ کو پورا نہیں کرتے جو شادی کے دن
 کیا جاتا ہے“

ہنسز اینی بسنٹ Mrs. Annie Besant لکھتی ہیں

”دوسرا امر تمام مذہب ممالک میں مرد اور عورت کے موجودہ تعلقات ہیں، سچا
 اور راست بازانہ تعلق ایک مرد اور ایک عورت میں ایک بلند طبع نظر ہے،

جس کا وعظ بعض ممالک میں کیا جاتا ہے مگر عملی رنگ میں عموماً کہیں نہیں پایا

جاتا

ڈاکٹر رسل وب Dr Russell Webb کہتے ہیں۔

میرے ساتھ یورپ یا امریکہ کے کسی بڑے شہر میں چلو اور دیکھو کہ تمدنی اور معاشرتی معاملات میں کیسے بڑے نظارے نظر آتے ہیں، اخباروں کو اٹھاؤ اور طلاق کے مقدمات کی کارروائیوں، بدنام شدہ شہرتوں کی حالت اور شادی کے بعد خانہ بربادیوں کے تذکرے پڑھو اور مجھ سے بتاؤ کہ یہ چیزیں جن پر فخر کیا جاتا ہے کیا واقعی اچھی ہیں اور کیا یہ اچھے رواج ہیں؟

مسٹر ایچ، ایف، بینسن E.F Benson اپنے ایک مضمون میں ایسے ہی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”قومی زندگی کی بنا حانگی زندگی کا صحیح و بے عیب ہونا ہے، اگر مکان ہی کی ساخت بوسیدہ ہو تو وہ وقت دور نہ ہو گا کہ پوری عمارت دگمگا کر نیچے آ رہے، اور اس حالت میں اگر اسے سرفلک کرنا ہے تو ضرور ہو گا کہ دوسرے سرے سے بالکل نئی بنیاد ڈالی جائے، لیکن جس طرح کہ یہ مصیبت قریب اور جلد نازل ہونیوالی

۱۵ اسلامک ریویو ستمبر ۱۹۱۶ء Islamic Review Sept 1916

۱۵ ماخوذ از ترکوں کی معاشرت بحوالہ فورٹ ناٹلی ریویو صفحہ ۷۴ Fortnightly Review

ہے اسی طرح علاج بھی پاس ہے یعنی ہماری قوم کی بیبیوں اور بیٹیوں کے ہاتھ میں۔“

دی گریٹ ان میرڈ *The great unmarried* کا مصنف لکھتا ہے۔

اس زمانہ کے اعلیٰ طبقہ کے مصنوعی تجربہ والے عموماً اپنے غفوان شباب اور جوانی میں آوارگی اور اغوا میں بسر کرتے ہیں اور درمیانی عمر میں کسی نوجوان لڑکی سے جس کے پاس کافی دولت ہو شادی کر کے زندگی گزارتے ہیں۔ اکثر اوقات وہ اپنی بیوی کے رویہ کو اڑا ڈالتا ہے اور اس سے لاپرواہی اختیار کر لیتا ہے، اور پھر اپنی لقمہ حرکتوں کی طرف عود کر جاتا ہے ایسی مثالیں دیاں شادی کی مغربی اقوام میں عام ہیں۔

ان حالات کے سوا معصوم اور ناجربہ کار لڑکیوں کی فراری بھی اسی آزادانہ رویہ کا نتیجہ ہے چنانچہ اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں طبقوں میں بہت کثرت سے ہوتی جاتی ہیں صرف

۱۷ ماہوار نرسوں کی معائنات بھال فورٹ ٹاٹل ریویو صفحہ ۲۰۷

۱۷ افسوس ہے کہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، بعض ادبش طبع شوہر اپنی بیویوں کی دولت و جائیداد جو ان کو اپنے والدین کے یہاں سے ملتی ہے، تباہ کرتے ہیں اور اس کو ہمیشہ رنج و غم کا سامنا رہتا ہے جو عورتوں کی ظلمی مردوں کی بے وفائی اور خاکسار مسلمانوں میں علم و بین کی ناواقفیت کی بھی دلیل ہیں۔

۱۷ بوم سٹوڈیا صفحہ ۱۱۱۔

امریکہ کے اندر ایک سال میں ۵۰۰ واقعات فراریوں کے ہوئے کیا یہ شریف عورتیں اگر پردہ نشین ہوتیں تو پھر بھی ان کی ترغیب و تحریص کا ایسا مسلسل موقع مل سکتا تھا؟ کیا ان کی زندگی کی بربادی کا سوا اُسے بے پردگی کے اور بھی کوئی سبب ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب بجز نفی کے کچھ نہیں دیا جاسکتا اچرہ نشینی کی حالت میں شریف لڑکیوں کے گرد کسی قسم کا سامان اغوانہ ہوتا، اور وہ ان ناگوار و تلخ حالات میں گرفتار نہ ہوتیں جن سے بے پردگی کی صورت میں سابقہ پڑتا ہے۔

ایک خاتون یڈی گلٹ *Lady Cook* رسالہ ایکو میں لکھتی ہے

اختلاط ایسی چیز ہے جس سے مرد و عورتوں کو مانوس بنالیتے ہیں اسی لئے عورتیں اپنی فطرت کے خلاف اس چیز کی طمع کرتی ہیں اور اسی اختلاط کی کثرت سے ناجائز اولاد کی کثرت ہوتی ہے، عورت کو سخت مصیبت برداشت کرنا پڑتی ہے کیونکہ جس مرد سے وہ حاملہ ہوتی ہے وہ اس کو چھوڑ دیتا ہے، اور اُس کو فاقہ کی تکلیفیں اور ذلت و رسوائی دکی مصیبتیں بھیلنی پڑتی ہیں، بلکہ بعض اوقات اُس کا انجام موت ہوتا ہے فاقہ کی وجہ یہ ہے کہ محل اور اُس کے عوارض کی وجہ سے وہ کام کرنے سے معذور رہتی ہے، جس کے ذریعہ سے اپنی قوت حاصل کرتی اس سے زیادہ ذلت و رسوائی اور کیا ہوگی کہ اکثر عورتیں خود کشی کر لیتی ہیں اور مرد کو ان میں سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، ان تمام باتوں کے علاوہ سارا الزام

اور تمام جواب دہی عورت ہی کے ذمہ ہوتی ہے حالانکہ اختلاط کا سبب زیادہ تر مرد ہے۔ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ان وسائل کی نسبت بحث کریں جو اس مصیبت میں کسی قدر کمی کرنے والے ہوں جو مغربی تہذیب کے لیے ایک بدنامہ حصہ ہے۔ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ایسے طریقے اختیار کریں کہ لاکھوں بے گناہ بچے قتل سے محفوظ رہیں، اس کا گناہ صرف مرد ہی کے ذمہ ہے جو عورت کو اغوا کرتا ہے اور وہ بوجہ اپنے رفیق القلب ہونے کے مردوں کے وعدوں کا یقین کر لیتی ہے پھر وہ چھوڑ دیتا ہے اور وہ سخت عذاب کی مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

اے آباؤ آپ اپنی لڑکیوں کے چند روپیہ کما لینے اور مردوں کے کاموں میں مشغول ہونے پر دھوکا نہ کھائیں وہ ایسی ہی ہو جائیں گی جیسا میں نے ذکر کیا ہے، ان کو تعلیم دیجئے کہ وہ مردوں سے دور رہیں، اس لئے کہ شمار و اعداد سے ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ مردوں کے میل جول سے جو بلا پیدا ہوتی ہے وہ عظیم الشان اور خطرناک ہے۔

اگر اس دنارت کا یہی حال رہا تو اس کا تصور بھی ناممکن ہو گا یہاں تک کہ ہم بچیں گے ہمارے شہر کے مردوں کو کہ انھوں نے عورتوں کے ساتھ شادی کرنا چھوڑ دیا، وہ کسی لڑکی کا بیوی بنانا اس وقت تک نہ پسند کریں گے، جب تک ان کو تجربہ نہ ہو جائیگا، یہ مذہنیت کی انتہائی لپستی ہے، ایسی کتنی عورتیں ہونگی، جو زندگی کی ناخوشگوار یوں سے ان کی کفالت میں رہ سکتی ہیں جن کو اپنا شوہر بنایا تھا، وہ ان

بچوں کی طرف نہ دیکھتا ہے نہ اُس کی کوئی پروا کرتا ہے، ایسی عورتوں پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ عورت کے حاملہ ہونے کی حالت میں اُس کی اور ضرورتوں میں، بیماریوں میں، وضع حمل کے زمانہ اور اُس مصیبت و تکلیف میں کوئی اُن کا معاون ہوتا ہے“

(ایسی تمام افسوس ناک حالتیں ان مستقل اور مبسوط کتابوں میں زیادہ تر نظر آتی ہیں جو جنسِ صلیح کی غرض سے لکھی گئی ہیں ڈاکٹر ایلیزبتھ سلون چیسر *Dr Elizabeth Sloan* کی کتاب *Woman, Chesser* اینڈ مدر ہڈ

marriage and motherhood اور شانِ مادری) مطبوعہ ۱۹۱۳ء جو نہایت ملائم اور ہمدردانہ ہے پڑھ کر عبرت کرنے کے قابل ہے۔ اس کتاب میں ان اثرات کو دکھایا گیا ہے جو قوانینِ رسم و رواج، ماں اور بیوی کی قانونی حیثیت اور حفظانِ صحت کے قدرتی قواعد کی عدم واقفیت اور صنعتی و قحی حالتوں اور کارخانوں میں کام کرنے سے ایک ماں کی زندگی پر پڑتے ہیں، اور ان نتائج پر بحث کی ہے جو آجکل ولادت میں ظاہر ہوئے ہیں جن سے کمزور اور جسمانی، حیثیت سے ناقابلِ اولادیں پیدا ہوتی ہیں اور بچوں کی اموات میں خوفناک اوسط ہو جاتا ہے، اور یہ اسباب شمار و اعداد سے دکھائے گئے ہیں، اور عورت کی اقتصادی زندگی اور وہ افلاس جس سے بد اخلاقی کی طرف رغبت ہوتی ہے اور گناہ کا معاوضہ جو کہ بیماری اور موت کی صورت میں ملتا ہے، بیان کیا گیا ہے، اور ان کی

اصلاحوں پر جو مغربی نقطہ نظر سے مفید معلوم ہوئی ہیں زور دیا گیا ہے۔
 جدید تہذیب کا اثر | تہذیب در اصل ان اخلاق و اوصاف انسانی کے ارتقاء کا نام ہے
 جن کو انسان روزمرہ کی زندگی اور عام ارتباط و معاشرت میں عادی بنا کر رہتا ہے۔
 لیکن افسوس ہے کہ اب وہ خود نمائی، نفیثن، اسباب راحت اور معیشت و معاشرت
 کے چند مقررہ آداب و قواعد کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے، اس جدید تہذیب کا اثر
 عورت و مرد کے شہل ارتباط کی وجہ سے عورتوں پر بہت زیادہ ہو رہا ہے جس سے
 اخلاقی بنیادیں اندر ہی اندر کھوکھلی ہو رہی ہیں، اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عام طور سے
 مغربی ممالک میں بچہ کی زندگی اختیار کی جاتی ہے چنانچہ سٹراٹھم لیسلی چین۔
 W.M. Gallicham نے ایک مستقل کتاب اسی بحث پر لکھی ہے،
 جس میں کثیر التعداد عورتوں کی غیر اختیاری اور مردوں کے جھوٹے بچہ پر افسوس ظاہر
 کرتے ہوئے وہ اس مسئلہ کو شہل اور اخلاقی عقدہ سے تعبیر کر کے اس کے خطرے سے
 ملک کو مطلع کرتا ہے اور یہاں تک اس کا ادعا ہے کہ

”وہ وحشی فرقوں میں جو بے حیائی مشاہدہ کی جاتی ہے وہ زیادہ تر تہذیب کے اثرات
 بد کا نتیجہ ہے، وہ تسلیم کرتا ہے کہ وحشی لوگوں میں انتہائی بُرائیاں اور کسب کی عادتیں
 بکثرت اثرات تہذیب سے ہیں اور تقریباً ہر جگہ وحشی اور نیم تربیت یافتہ قوموں میں

۱۵ دی گریٹ ان میرڈ صفحات ۶۳، ۵۵، ۹۲۔

The great unmarried

عفت عام طور پر ہے زن و مرد کے اخلاق میں اگر بہت سی وحشیانہ
سوسائٹیوں کا مقابلہ مذہب مالک کے عشق انگیز عادات سے کیا جائے تو نہایت
تعجب ہوتا ہے، تجربہ کی زندگی بسر کرنے کے لئے ایک عام غریہ ہے کہ عورتوں
کی فضول خرچی روز بروز بڑھ رہی ہے۔

معاشرت پر بھی تہذیب جدید یا ترقی تہذیب نے کوئی اچھا اثر نہیں ڈالا اور جب
مصلحین مغرب اس تہذیب کا وحشی یا نیم مذہب قوموں کی تہذیب کا مقابلہ کرتے
ہیں تو نتائج میں اپنی تہذیب کی خرابی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں چنانچہ کرائم اینڈ اس
کازینز *Crime and its causes* کا

مصنف کہتا ہے کہ

بہت سی وحشی قومیں جو کہ اپنی قدیم معاشرتی زندگی میں رہتی ہیں وہ یورپ اور
امریکہ کی نہایت تربیت یافتہ جماعتوں کے مقابلہ میں انسان کی ذات اور اس کے
مال کی عزت کا بہت اچھا نظارہ پیش کرتی ہیں،

عورتوں کی مجرمانہ زندگی | بے پردگی کے وہ نتائج جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ان میں
وہ نتائج نہایت اہم ہیں جو جرائم کی صورت میں بطور نتیجہ لازمی کے وقوع میں آتے ہیں۔
مسٹر مارلسن *Mr. Morrison* جو ایک نہایت وسیع الملوٹ
شخص ہیں اور ایک خاص قید خانہ سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اپنی کتاب -

کرائم اینڈ الٹس کا زمرہ مطبوعہ ۱۹۰۲ء *Crime and its Causes* جرائم اور ان کے وجوہ میں یورپ میں جرائم پیشہ لوگوں کے پیدا ہونے کے وجوہ دکھائے ہیں۔ اور ان پر بحث کی ہے۔ اور ہر جگہ کے شمار و اعداد اور کچھ واقعات لکھے ہیں۔

جن سے پایا جاتا ہے کہ مغربی ممالک میں ۹ فی صدی سے ۸ ایک عورتیں مجرم ہوتی ہیں اور نوزائیدہ بچوں اور بزرگوں کا مارڈالنا، اسقاط زہ، خورانی، اور گھروں میں سے چوری کرنا یہ وہ جرائم ہیں جن میں عورتیں مردوں سے زیادہ مبتلا ہیں۔ اور بزرگوں کے مارڈالنے میں مردوں کے برابر ہیں۔ اور مردوں سے زیادہ بچوں کے ساتھ بدسلوکی کرنے میں، سزائیں باقی ہیں اور قتل عمد یا اقدام قتل میں ان کا تناسب ۳۶ فی صدی ہے۔ عورتیں مردوں سے زیادہ سخت جرائم پیشہ ہوتی ہیں اور مکرر سزایاب ہوتی ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عورتیں کثرت کے ساتھ ازکاب جرم کی ترغیب دیتی ہیں اور خود سزا سے بچ جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ ازکاب میں خود حصہ نہیں لیتیں۔

پھر مصنف نے جنوبی اور شمالی ممالک کی عورتوں کی آزادی اور غربت نشینی سے بحث کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ جنوبی یورپ میں عورتیں اخلاقی حیثیت سے شمالی عورتوں سے بہتر ہوتی ہیں اور ان کی زندگی کی معاشرتی حالتیں ان کو جرائم سے محفوظ رکھتی ہیں یا یہ وجہ ہے کہ جنوبی حصہ میں مرد جس قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں ان جرائم کے لئے عورتیں ناقابل ہوتی ہیں یہ بالکل واضح طور پر معلوم

کہ جنوبی یورپ میں عورتیں بہت زیادہ عزت نشینی کی زندگی بہ نسبت شمالی عورتوں کے بسر کرتی ہیں وہ بہت کم زندگی کی تحریکوں وغیرہ میں شریک ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ معلوم کرنا کوئی تعجب چیز نہیں ہے کہ وہ جرائم کی کم مرکب ہوتی ہیں۔ پھر وہ مختلف ممالک کا مقابلہ کرتے ہوئے ان عورتوں کے متعلق لکھتا ہے۔

لیکن اس کا باعث ان کی وہ عادتیں ہیں جو عزت نشینی کی زندگی سے پیدا ہوتی ہیں، اور ان سے وہ مجرمانہ قسم کی اخلاقی آلودگی سے بچی رہتی ہیں۔

وہ عورتوں کی تمدنی زندگی کو بھی جرائم نسوانی کا بڑا سبب قرار دیتا ہے چنانچہ لکھتا ہے۔ کسی قوم کے جرائم نسوانی کا بہت کچھ دار و مدار اس قوم کی عورتوں کی تمدنی زندگی پر ہے، ان تمام ممالک میں جہاں عورتیں معاشرتی رسم و رواج کی وجہ سے علیحدگی اور عزت نشینی کی زندگی بسر کرتی ہیں ایسے جرائم کا وسط بالکل گر جاتا ہے اور اس کی مثال یونان کی مجرم عورتیں ہیں۔

حکومت یونان کے قید خانوں کی رپورٹ شش ماہ بتاتی ہے کہ مجموعی تعداد قیدیوں کی ۲۳۰۰ تھی جن میں سے صرف پچاس عورتیں تھیں اس کے خلاف ان ممالک

۱۵ عزت نشینی کا دوسرا نام پردہ بھی دیکھتا ہے اور یہ پردہ کی حمایت میں بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ جرائم سے بھی روکتا ہے۔

۱۶ یونان میں قبل از شادی لڑکیوں کو مردوں کی سہ سائی سے بالکل علیحدہ رکھا جاتا ہے اور مثل بڑکی کے وہ پردہ میں رہتی ہیں البتہ بعد شادی ان پر کوئی قید عائد نہیں ہوتی،

میں جس میں عورتیں مردوں کے ساتھ زندگی کے عملی کاموں میں زیادہ حصہ لیتی ہیں، جرائم کم نسوان کا اوسط سب سے بڑھ جاتا ہے اس کی مثال اسکاٹ لینڈ کی جرائم پیشہ عورتیں ہیں جن کی سب سے زیادہ تعداد ہے ۱۸۵۵ء کی رپورٹ عدالتاً قویٰ رہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تمام مقدمات میں سے۔ سنی صدی ان جرائم سے تعلق رکھتے ہیں، جن کا ارتکاب عورتوں سے ہوا ہے۔

اس میں مطلقاً شبہ باقی نہیں رہتا کہ اسکاٹ لینڈ میں اس قدر زبردست اوسط کی وجہ وہاں کی عورتوں کا تمدنی درجہ ہے۔ یورپ کے کسی اور ملک میں عورتیں اس قدر جسمانی کام نہیں کرتیں۔ وہ کھیتوں اور کارخانوں میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ وہ اپنی گذشتہ اوقات کے لئے مردوں کی محتاج نہیں۔ اور بہترین مالی حالت کے ساتھ جس کو اعلیٰ زندگی کہتے ہیں۔ بسر کر رہی ہیں جو کسی اور ملک کی عورتوں کو نصیب نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ تمدنی کشمکش میں مردوں کی طرح مبتلا ہیں۔ اس لئے وہ ارتکاب جرائم میں بالکل اُن ہی جیسی ہیں۔

اسکاٹ لینڈ کے شمار اعداد اس کلیہ کے قائل کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں جو عام طور پر تمام ملکوں کے شمار و اعداد سے بنایا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورتیں جس قدر کشمکش زندگی میں حصہ لیتی ہیں اسی قدر اُن میں مجرموں کی تعداد بھی زیادہ ہوگی۔ یہ امر سوسائٹی کے مستقبل کے لئے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اور اس لئے نہیں اچھا معلوم ہوتا۔ جیسا کہ آج کل عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ جس درجہ تک ممکن ہو عورتوں کو

صنعتی اور پبلک زندگی میں حصہ دیا جائے عورتوں کی سیاسی جماعتوں اور دوسری مجلسوں کو لوگوں کے اس عام خیال نے جو مدد دی ہے اس سے ان میں استحکام پیدا ہو گیا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ عورتوں کی اخلاقی حالت گرتی جاتی ہے سوسائٹی کے موجودہ صنعتی ڈھانچے میں ایک بڑی تعداد ایسی عورتوں کی ہے جن کو اپنی روزی کمانے میں اپنا پسینہ بہانا پڑتا ہے اور جب تک سوسائٹی میں کوئی ایسی اعلیٰ ترسیم نہ ہو جو موجودہ صورت میں حالات کو بالکل بدل دے اُس وقت تک عورتوں کو زندگی کے عملی کاموں میں حصہ لینا پڑیگا۔ ساتھ ہی سب سے اچھی بات یہ ہوگی کہ سوسائٹی کو عورتوں کی گھر کی چار چار دیواری اور ابتدائی مدارس سے باہر ہونے کی مطلق ضرورت نہ ہو۔ ان دونوں دائروں میں عورت کو اپنی قابلیت کے اظہار کا پورا میدان مل سکتا ہے۔ مدرسہ اور مکان میں عورت کا کام مرد سے کہیں برتر ہوگا۔ اور چونکہ آج کل گھر اور مدرسہ کا کام اس قدر بے ڈھنگے طریقے سے ہوتا ہے اس لئے زمانہ حال تہذیب گویا جسمانی کمزوری یا افلاس اور جرائم کا بستر مرگ بنی ہوئی ہے۔

اس بات میں شبہ نہیں کہ جرائم میں کبھی مستقل طور پر کمی نہ ہوگی جب تک زندگی اس صورت سے نہ گزرے گی کہ عورتیں زندگی کی جدوجہد سے علیحدہ کر دی جائیں اور اپنی قوت کو تماشہ بچوں کی تربیت و تعلیم کی طرف مبذول کریں۔ اور اس اہم خدمت کے لئے خود پہلے تعلیم اور معلومات حاصل کر لیں۔

آج کل یورپ کی سوسائٹی فرض اُمانات کے اُس نصب العین سے دور ہوتی جاتی ہے۔ عورت کو محض دماغی اور جسمانی محنتوں کے لئے موزوں سمجھا جا رہا ہے۔ یہ نازک عورت۔ تجارتی اور دوسرے کاموں میں لگائی جاتی ہے بعض لوگ اس کو ترقی کے درجہ میں شمار کرتے ہیں۔ یہ ملکی ضرورتوں سے جائز ہو سکتا ہے جیسا کہ سب کے نزدیک ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ قوم کے اخلاقی مقاصد سے بہت دور ہے۔

اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ عورتیں ایسی ذلیل نہ بنیں جیسا کہ جرائم کے نقوشوں سے وہ ثابت ہوتی ہیں جو کہ موجودہ حرفتی تہذیب میں حصہ لینے کی وجہ سے ہو گئی ہیں۔ اخلاق کا حکم یہ ہے کہ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت ایسی ماؤں کے ہاتھ میں رہے جو کہ اُس کو قابلیت کے ساتھ انجام دے سکیں ایسی ماؤں کے سایہ میں جنہوں نے اپنے تنگ و ناموس کے شیشہ کو خواہشات نفسانی اور دنیوی حرص طمع کے پتھر سے چکنا چور کر دیا ہو۔

ایک اور کتاب میں بچوں کی اموات کے واقعات کو شمار و اعداد سے ثابت کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ ان بچوں کو ظاہر اظہار پر ہلاک نہیں کیا جاتا تا کہ تعزیری جرم نہ ہو لیکن ایسے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں جن سے ہلاکت وقوع میں آتی ہے۔ یہ اموات

۱۵ ایلیمسی ٹیمسی مطبوعہ ۱۸۹۲ء

گلا گھوٹنے، زہر دینے پھانسی دینے، زندہ جلادینے، مجلسا دینے سے ہوتی ہیں لیکن پھر بھی ان کے ساتھ ان بچوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ رحم کا ہر تاؤ کیا جاتا ہے جن کو بتدریج بھوکا مار کر، بیمار ڈاکٹر اور بے اعتنائیوں سے مارا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ، دغا، فریب، جعل سازی، شوہروں وغیرہ کو زہر خورانی اور قتل کے خوفناک جرائم کی طولانی فہرست اور بھی ہے۔ جن کی عورتیں مرتکب ہوتی ہیں۔ یہ تمام اندوہناک مثالیں اکثر کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔

مذکورہ بالا خرابیوں کا علاج (اس مجموعہ نتائج پر مغربی ممالک کے دوران پیش مصلحین کی جماعت بڑی مستعدی کے ساتھ مصروف غور ہے یہ تمام تصنیفات و تالیفات خود گواہ ہیں کہ قوم ملک کو عبرت دلانے اور خطروں سے ہوشیار کرنے کے لئے کیسی محنت و دلسوزی سے کام کیا جا رہا ہے اور آخری علاج جو بعض مصلحین نے تجویز کیا ہے وہ یہی ہے کہ عورت کو تمدنی کشمکش میں پڑنے سے روکا جائے، اس کو گھر کے اندر واپس کیا جائے، خیمہ مراد اور عورت ایک دوسرے سے الگ رہیں، معاشرت میں تبدیلی ہو اور فرائض مادری کا احساس کرایا جائے صنعتی و حرفتی زندگی کی وجہ سے جو حالت زلزلوں قائم ہو گئی ہے اُس کو دور کیا جائے۔

اور اب تو حکومت کی طرف سے ایسے قوانین بنانے کی تجویز درپیش ہے

۱۵ اسلامک ریویو بابت ماہ اپریل ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۸۴۔

جن کی رو سے میل جول محدود ہو جائیگا۔ اس کے علاوہ اور بھی تدابیر زیر غور ہیں۔
 لیکن سب سے اہم اور کامل تدبیر وہی ہے جو ہمارے نبی کریم اور شارع علیہ السلام
 وحی کے ذریعہ سے دنیا کو بتلائی ہے اور وہ وہی احکام ہیں جو عورتوں کے پردہ اور
 آزادی میل جول کے افساد کے متعلق ہیں اور ان سب کا خلاصہ و قرآن فیہونک
 میں ہے۔



دنیا ئے اسلام میں بے پردگی

یورپ میں عورتوں کے اخلاقی انحطاط کی تفصیل اور پگنڈر چکی ہے اُس کے متعلق ممکن ہے کہ یہ خیال پیدا ہو کہ یہ وہاں کی ماحول مرز و بوم اور خاص تمدنی حالات ضروریات زندگی کا نتیجہ ہوگی۔ اور صرف بے پردگی اور آزادی کو اس کا مجرم قرار دینا جائز نہ ہو لیکن یہ خیال درحقیقت صحیح نہیں ہے۔ اسلامی ممالک کا ماحول مرز و بوم اور اُس کا قدیم تمدن اب تک زندہ ہے لیکن بایں ہمہ عورتوں کی اخلاقی حالت روز بروز اتبر ہوتی جاتی ہے اور یہ اخلاقی انحطاط اُسی دن سے شروع ہوا ہے جس دن سے عورتوں کو آزادی کی ہوا لگی ہے اور جہاں ابھی تک ایسی آزاد نہیں ہے وہاں نسبتاً ایک قسم کا سکون ہے۔

مصر کی حالت اُس وقت تک اُن ممالک میں جہاں مسلمان زیادہ آباد ہیں جدید تمدن و معاشرت کا اثر مصر پر بہت زیادہ پڑا ہے اور عورتوں نے وہ آزادی و بے پردگی اختیار کرنا شروع کر دی ہے جو مغربی ممالک میں ہے اور جس قدر اس اثر کو ترقی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر وہاں کی تمدنی و معاشرتی حالت اسلامی معیارِ اخلاق سے گزر رہی ہے اور اس حالت پر وہاں کے قابل و فاضل اہلِ قلم اور اہلِ علم مسلمان نالاں ہیں اور اس کو قصہ قومیت کے ارکان کا زلزل سمجھتے ہیں۔ ایک

مصری ناضل محمد طلعت حرب نے اسی بحث پر ایک کتاب تربیت المرأة والحجاب کے نام سے شائع کی ہے اُس میں جابجا یورپ کی حالت کے ساتھ اپنے ملک کی حالت بھی دکھائی ہے اور سکہ پردہ پر بھی بحث کی ہے۔ اس میں ایک موقع پر وہ لکھتے ہیں

اگر یورپ کی عورتوں کی حالت پر غور کر دگے تو اس کا سبب زیادہ تر وہاں کی مزدور و کم اثر پاؤ گئے۔ وہاں تحصیل معاش اور روپیہ پیدا کرنے کے لیے عورتوں کو

مردوں کا شریک ہونا اور پردہ سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔

ان کی عادت ہو گئی کہ وہ آزاد رہیں اور اس کا مزاج ان کو مذکور ہو گیا اب یہ اہم ہے

کہ وہ پردہ کرنے لگیں اور اپنی عادت سے پھر جائیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ

نفس خود ان سے بیزار ہو جائیں، مگر اس وقت یہ بہت مشکل ہے۔ اگر ہم اس عاجز

کریں گے تو ہماری حالت بالکل اسی کوٹے کی طرح ہوگی جو بیس کی چال چل کر اپنی

چال بھول گیا تھا پردہ میں جو کمی شروع ہو گئی ہے اس کا اثر بے حجابی اور ابتذال تک

سہايت کر گیا ہے، اگر اہم تدارک اور ملاقی نہ کریں گے تو سخت دھوکا کھائیں گے۔

یہ افتخار کہ یورپ میں عورتیں تجارت و صنعت کرتی ہیں اور فلاں فلاں کام انجام

دیتی ہیں فی الحقیقت نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ اختلاف حجب زیادہ

ہو گا ابتذال میں ترقی ہوگی تو ہم دیکھاج کر ناچھوڑ دیں گے۔

اب اس کی سے (مصری) عورتوں کو اس قدر حصہ ملا ہے کہ انھوں نے پردہ میں

تخفیف کر دی ہے وہ بے پردہ بازار میں اپنی زینتوں کو دکھانی پھرتی ہیں، جس کو کوئی صاحبِ ذوقِ سلیم اچھا نہیں سمجھتا، ان تمام باتوں میں صریحاً دین کی مخالفت کی جاتی ہے اور اس کلامِ پاک کے خلاف عمل کیا جاتا ہے جو غرضِ ابصر کا حکم دیتا ہے، افسوس ہے کہ ہم سے شریعتِ معصوم ہوئی جاتی ہے یا قریب ہے کہ ہو جائے اور جتنی فضیلتیں تھیں وہ تو جاتی رہیں، فردوس سے ادب گیا، اُن کے ذوقِ صحیح نہیں رہے ورنہ کیا وجہ تھی کہ مسجدوں کے سامنے راستوں بلکہ گھروں میں عورتوں کی ان خفیف حرکات کو دیکھیں اور خاموش رہیں، ان لوگوں نے غرضِ ابصر کے حکم ہی سے غرضِ ابصر کر لیا ہے، یقیناً یہ منجملہ نقصانوں کے ایک زبردست اور حکایت و نقصان ہے جو اُس وقت تک باقی رہے گا جب تک آنکھوں اور دلوں پر غفلت کے پردے پڑے رہیں گے۔

پس اسے قوم اگر تنجھ کو اپنی حفاظت مقصود ہے تو چاہیے کہ جو کچھ باقی رہ گیا ہے اُس کی حفاظت کر، عورتوں میں پردہ کے معاملہ میں بہت سستی بڑھتی جاتی ہے اور اس کا نتیجہ کچھ نہ ہو گا۔ مگر یہ کہ فسق و فجور میں کثرت ہو۔

ہم کو چاہیے تھا کہ ہم وہ کام کر سکتے ہیں کام کو تو ان شریعت اور سنتِ کریم نے حکم دیا تھا، ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ یہ جو کچھ ہمارا ہے تعلیم و تربیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے کیونکہ مشاہدے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تعلیم یافتہ لوگ بھی اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتے۔ جب ہم ایسے گھروں کو دیکھتے ہیں جن میں پردہ کی ایک معمولی رسم باقی ہے اور موسیقی و پیانو کا شوق بڑھا ہوا ہے تو عجیب عجیب منظر ہمارے سامنے آتے ہیں، ابتداء کی تو یہ

کثرت ہو کہ بقول العظم غفٹ ایک حقیر چیز شمار کی جانے لگی ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے گھر میں غیر لوگ آتے ہیں، وہ بالکل پرواہ نہیں کرتے بلکہ اُس کو واجباتِ صحبت سمجھتے ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس قول کو بھول گئے کہ تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے، دیوث اور وہ عورتیں جو مردوں کی سی صورت بناتی ہیں۔
اور ہمیشہ شراب پینے والا۔

مختصر یہ ہے کہ ہماری جہالت نے ہمارے اخلاق کو خراب کر کے تمام فسادات ہماری دھکیوں اور بچیوں میں پیدا کر دیئے اور جب تک ہمارا یہ خیال رہے گا، حال بھی یہی رہے گا، کہ روزانہ رُفعِ حجاب میں ترقی ہوتی رہے گی، اس لیے کہ زمانہ ترقی پذیر ہے اور اسی ذلت کا نام تمدن اور ترقی رکھا گیا ہے، اگر ہم اس پر توجہ نہ کریں گے تو تھوڑے دن کے بعد یہ بقیہ غیرت بھی جاتی ہے گی، خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم اپنے دین کی طرف مائل ہوں اور سنتِ نبی کریم کا جو ہم کو صراطِ مستقیم پر چلائے اتباع کریں۔

سچ تو یہ ہے کہ قابلِ ملامت بھی نہیں ہیں کیونکہ جب ہم سے اور اجنبیوں سے میل جول ہوا تھا تو یہ شرط نہیں قرار پائی تھی کہ ہم اپنے اُصولِ دین اور عادتوں کو ترک کر دیں گے اب اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ عورت کو بے پردہ کر دینا تماشا گاہوں اور مجلسوں میں جانے کی اجازت دینا اور خود مردوں کا ابتداء اختیار کر لینا یہ سب ہماری سستی ہے۔ ہمارا منشا یہ ہے کہ عام طور سے اس مرض کا علاج

اسلامی تربیت سے کیا جائے۔ وہ لوگ اپنی قوم پر ظلم کرتے ہیں۔ جنکی خواہش ہے کہ پردہ اٹھ جائے اور مرد اور عورتیں آپس میں ملنے جلنے لگیں۔
ایک اور کتاب المراءۃ کا مصنف عباس حلی محمد لکھتا ہے۔

عورتیں آج اپنے گھر سے نکلتی ہیں، نگے سر ہوتی ہیں، چہرہ کھلا ہوتا ہے، سینہ گردن پٹ لیا نظر آتی ہیں اور مختلف طریقوں اور قیمتی لباس وغیرہ سے زینت کئے ہوئے ہوتی ہیں اس سے مردوں کے قلوب کو مائل کر کے ان کی عقول کو مہولہ لعب میں ڈال کر مال دولت حاصل کرتی ہیں۔

یا اللہ! اگر آزادی کی یہی حالت رہی اور وہ اپنی خواہشات کی تابع اور غیر مردوں سے ملتی جلتی رہیں اور اپنے طبعی فرائض کو چھوڑ دیا تو ہم کہتے ہیں کہ ان کی یہ آزادی اُس شقاوتِ اکبر کی تحریر ہوگی جو ان کے صحیفہ عفت پر ثبت ہوگی اسی بنا پر ہم اپنے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے زاری کرتے ہیں کہ ہماری قوم کے سردار اسی استبداد پر ثابت ہیں حجاب ان کے حفاظت کی چادر ان کے ادب کی بساط، ان کے عصمت کے محفوظ رکھنے کا قلعہ ہے حجاب ہتھیار جو جس سے عورتیں اپنی آبرو کی حفاظت کرتی اور ان مصائب سے بچتی ہیں جو ان پر آنے والے ہوتے ہیں۔ اسی سے وہ اپنے شرافت و کرامت کی حفاظت کرتی ہیں تاکہ ان کو کوئی شریر ہاتھ نہ چھو سکے۔ ان سب کے لئے حجاب کافی ہے۔
وہ اچھی طرح ان کی نگہداشت کر سکتا ہے۔

اس کے بعد وہ خواتین کو مخاطب کر کے ایک ہدایت کرتے ہیں۔

(لے سیدہ !)

تم اپنے شرافت کی حفاظت کرو، اپنی آبرو کو محفوظ رکھو، اپنے گھروں میں بیٹھی رہو۔
اور اگر کوئی ضرورت نہ ہو تو (اے سیدہ) گھر سے باہر نہ نکلو۔ تہرج سے پرہیز
کرو (کیونکہ) تم میں ایک ایسی خواہش ملی ہوئی ہے جو عفت کو معصوم نہیں رہنے
دیتی (یاد رکھو) انسان کی طبیعت محض حیوانی ہے اور عصمت صرف انبیاء کے لئے
ہے۔

لے سیدہ ! جس وقت تمہارا شوہر گھر میں نہ ہو تو دوسرے محضے ملنے سے بچو کیونکہ یہ بہت
برے ہے کہ تمہارے کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جائے جس کو تمہارا شوہر نہ جانتا ہو۔ اگر تمہارا
نفس یہ کہے کہ تم کو کوئی دیکھتا نہیں تو لے سیدہ یاد رکھو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے
کوئی بات مخفی نہیں ہے وہ تو اچھی طرح دیکھتا ہے تم کو شش کر (لے سیدہ !)
کہ دنیا کے مصائب سے محفوظ رہو اور تمہارا نفس دایمان نور ہدایت کی روشنی سے
منور ہو جائے۔

ترکی خواتین | اسلامی ممالک میں مصر کے بعد ترکی اور خصوصاً گورین ترکی کا حصہ نئے
خیالات اور جدید تمدن و معاشرت سے زیادہ متاثر ہوا ہے اور اس آزادی نے دستوری
حکومت کے زمانہ میں قوت پرکاشی شروع کی۔

میں نے بھی قسطنطنیہ کے قیام میں اگرچہ وہ بہت ہی مختصر تھا عورتوں میں اس انقلاب آزادی کو محسوس کیا تھا لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد جو اخبارات دیکھے گئے اُن سے معلوم ہوا کہ اس آزادی کی روک تھام شروع ہو گئی۔ چنانچہ آخر سلسلہ یا آغاز سلسلہ میں آستانہ کے حاکم نے حسب ذیل اعلان جاری کیا۔

ہر ملک کے عادات و اخلاق خاص ہوتے ہیں جن کا لحاظ وہاں کے تمام باشندوں پر لازم ہے۔ حکومت عثمانیہ ایسے اسباب مہیا کرنا چاہتی ہے جن سے عام آداب تہذیب و اہانت سے محفوظ رہ سکیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عورت و مرد قانونی دائرہ کے اندر پورے طور پر آزاد ہیں۔ لیکن جو شخص کسی عورت پر کسی قسم کی زیادتی یا فقط زبان ہی سے اُس کی توہین کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ اسی طرح جو عورتیں اپنے عیش اور وضع و اطوار میں حد شرعی سے تجاوز کریں گی ان سے بھی ہرگز چشم پوشی نہیں کی جائیگی۔

کبھی سیر تماشا کے طور پر عورتیں باہر نکلتی ہیں اور بعض حالتوں میں وہ ایسے مقامات پر ہوتی ہیں جہاں ان پر لوگوں کی نظریں اٹھتی ہیں اور یہ امر اسلامی خاندانوں کے لیے جرم و عیب و آداب و اخلاق کا احترام کرتے ہیں سخت گراں اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ آستانہ کی عورتیں تمام اطواف و اکناف بلاد عثمانیہ کی عورتوں کے واسطے بہترین و قابل تقلید نمونہ بنیں۔ لہذا حکومت عثمانیہ اس قسم کی تمام باتوں کو ممنوع قرار دیتی ہے۔ ہر عورت و مرد کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جو کوئی کسی عورت کی عزت و آبرو کو

اشارہ کنایہ یا کسی اور طریق سے نقصان پھونپائیگا وہ حکومت کی جانب سے سخت ترین سزا کا مستوجب ہوگا۔ نیز ہر خاندان کے سربراہ اور وہ اصحاب پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ارکان کو اپنے ملک و مذہب کی عادات و اخلاق کے موافق التزام پردہ پر مجبور کریں۔

اس حالت پر بھی کوئی مستقل رائے قائم نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس قسم کے تغیرات کا تعلق زمانہ امن و امان کی زندگی سے ہوتا ہے۔ تاہم ان احکام سے اس امر کا ضرور پتہ لگتا ہے کہ عورتوں کے تبرج اور آزادانہ رویہ کوڑکی میں بھی تسخس نہیں سمجھا گیا۔ اور اُس کے روکنے کے لیے حکومت کے اقتدار کو کام میں لانا پڑا۔



مشرق اور مغرب کے گھر

(بے پروگی اور آزادی کے ان بدترین نتائج کو پڑھ کر کون شخص اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ عورتوں کو اپنے گھر میں رہ کر اپنے فرائض کو جو ان کے ذمہ ہیں ادا کرنا چاہیے اس سے ان کی آبرو بھی محفوظ رہ سکے گی اور ان کے اخلاق بھی اچھے ہوں گے۔ جس کی حفاظت کی بہت سخت ضرورت ہے۔ اور جس ضرورت کی وجہ سے حجاب کی ضرورت معلوم ہوئی کیونکہ پردہ نہ صرف عصمت و عفت کا محافظ بلکہ اعلیٰ اخلاق کا ضامن بھی ہے اور خود بے پردہ عورتوں کو جو چشم بصیرت رکھتی ہیں اس بات کا اعتراف ہے۔ مشرقی ملکوں میں ہر شخص کو اس امر کا تجربہ ہو گا اور اگر کوئی انصاف اور نیک نیتی سے بغیر کسی تعصب اور اپنے خیال کی پاس داری کے پردہ نشین مستورات اور بے پردہ عورتوں کے اخلاق کا مقابلہ کرے گا تو اسے دونوں کے اخلاق میں صریحی فرق محسوس ہو گا۔ خصوصاً یہ فرق خانگی زندگی میں اور بھی نمایاں ہو گا اور دواجی زندگی کا فطری منشاء یہ ہے کہ زن و شوہر آپس میں ایک دوسرے کی حقیقی مسرت اور تسکین کا باعث ہوں لیکن یہ حالت مغرب میں شاذ اور مشرق میں عموماً پائی جاتی ہے۔ اور مشرق کی نیم چھٹی بیبیاں مغرب کی تمدن اور تعلیم یافتہ بیبیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ اپنے بچوں اور شوہروں کی نگہ سارا اور ہمدرد ہوتی ہیں اور خانہ داری کے فرائض کو بہترین اسلوب سے

انجام دیتی ہیں۔)

باوجودیکہ مصر میں اسلامی تہذیب و معاشرت میں بے انتہا تنزل ہو گیا ہے اور اُس تنزل کی رفتار روز بروز بڑھ رہی ہے جس پر وہاں کے دوراندیش اور متاثرہ مسلمانوں کو جس قدر ملال ہے اور وہ اپنے مستقبل سے جس قدر پریشان ہیں اس کا اندازہ ان چند اقتباسات سے ہوتا ہے جو اس کتاب میں درج ہیں لیکن چونکہ مصر میں ایک حصہ سے مسلمانوں کی آبادی بکثرت رہی ہے اور ہنوز اسلامی روایات باقی ہیں اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو احکام مذہب کی اگر پوری طرح نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور پابندی کرتا ہے۔ اس لیے وہاں اب تک کچھ نہ کچھ اسلامی شان کی جھلک باقی ہے اور وہ لوگ جو عمیق نظر سے قوموں کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں اس جھلک کو نہایت مستحسن سمجھتے ہیں۔ ایک مغربی خاتون الزنجہ کو پر دجیسا کہ وہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتی ہیں جنکو نجین سے مشرقی عورتوں کی حالت دریافت کرنے کا شوق تھا اور اسی غرض سے انھوں نے ان کے متعلق متعدد کتابیں دیکھی تھیں، مگر اندرونی حالت اور زندگی کے متعلق صحیح اور پوری معلومات حاصل نہ ہوئیں، تو ان کو مصر کی سیاحت کا شوق پیدا ہوا اور وہاں کی خانگی زندگی کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کر کے انھوں نے ۱۸۵۷ء میں ایک کتاب *The Women of Egypt* شائع کی جس میں وہ مصری خواتین کے بحث میں لکھتی ہیں۔

(مجھ سے بار بار یہ سوال کیا گیا ہے کہ مصری خاتون کس طرح اپنا دل بہلاتی ہے؟ مستند

اور ایک جگہ چین نہ لینے والے مغربی لوگوں کے لیے یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ وہ وقت گزاری کے لیے نئے طریقے تلاش کرنے کے واسطے سخت کوششیں کرتے رہتے ہیں، مشرقی عورت کے لیے وہ تفریح جس کو ہم تفریح سمجھتے ہیں مفقود ہے، اور نہ اس کی اُسے ضرورت ہے، سب سے پہلے وہ گھر کی منتظمی ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۲) بہت دلچسپ ہو گا، وہ لکھتی ہیں۔

میں نے ایک مصری خاتون سے دریافت کیا کہ مذہب اسلام دوسرے ادیان مثلاً عیسائیت پر کیا برتری رکھتا ہے اس کا جواب جو اس نے لکھ کر دیا تھا میں اسے ہاں نقل کرتی ہوں۔

مصری بہت دجہ سے اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر ترجیح دیتے ہیں۔

اول، وہ کہتا ہے کہ سوائے ایک خدا کے اور کوئی خدا نہیں ہے اور اس سے خدا کی عظمت و قدرت زیادہ ظاہر ہوتی ہو بہ نسبت اس قول کے کہ وہ تین میں کا ایک ہے یا ایک تین میں ہے۔

دوم۔ وہ عقل اور منطق کے معیار پر صحیح اثر تا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی کسی معجزہ یا خلاف قدرت ذریعہ سے اشاعت نہیں کی، ان کی قوم اور دوسرے بت پرست عربوں نے ان سے کہا کہ غیر معجزہ دکھلائے ہم ایمان نہیں لائیں گے، لیکن ان کو فرشتہ کے ذریعہ مکہ دیا گیا کہ وہ یہ جواب دیں کہ تمہاری طرح میں بھی ایک بشر ہوں، یہ بات دیگر ادیان کے بالکل خلاف ہے جن کی بنیاد معجزات اور خلاف قدرت کاموں پر رکھی گئی اور اسی بنا پر وہ ابتداء مانے لگے۔

سوم۔ وہ ہر مسلمان کو حکم دیتا ہے کہ غریب کی امداد کرے یہ حکم اسلامی ملکوں میں اشتراکست (سوشلزم) اور مارکشی (منلزم) کے سوال کو دوکتا ہے کیونکہ اسلام اپنی دولت میں سے مبتلا و افلاس لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔

اور بہت سے گھر کے جزوی کاموں کی نگرانی کرتی ہے جو ہمارے یہاں ملازمین پر چھوڑ دئے جاتے ہیں وہ اکثر تمام اشیائے خورد و نوش کو دیکھتی ہے جو گھر میں لائی جاتی ہیں، ترکاریوں کا معائنہ کرتی ہے، جو ہر صبح باورچی لاتا ہے، ذخیرہ کی کنجیاں اپنے پاس رکھتی ہے اور روزانہ خود اپنے گھر والوں کے لیے سامان دیتی ہے، وہ کھانا پکانا جانتی ہے، روزمرہ کا کھانا پکانے میں، یا ملازموں کو بتانے میں کہ کس طرح ایک نئی چیز تیار کی جائے کوئی ذلت نہیں سمجھتی۔

متوسط طبقہ میں بچوں کے کپڑے ماں تیار کرتی ہے اور امرا میں بھی ماں تمام گھر کے کپڑوں کا اہتمام کرتی ہے یہ واقعہ ہے کہ آج قاہرہ میں سلع سلائے کپڑے ظموں میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۳) جہاں ہم یہ حکم دیتا ہے کہ ہر وہ مسلمان جو استطاعت رکھتا ہے مکے حج کے لئے جائے تاکہ کل حصص دنیا کے تمام مسلمان آپس میں ملیں اور ان میں اخوت پیدا ہو۔

پنجم یہ بہ نسبت دیگر مذاہب کے اپنے پیروؤں کو زیادہ آزادی دیتا ہے یعنی

الف، اس کا حکم ہے کہ ہر عورت کو اپنے روپے کا حسب منہی انتظام کرنے اور خرچ کرنے میں آزاد ہونا چاہیے اور اس کے شوہر کو ممانعت ہے کہ بلا اس کی اجازت کے اس کے معاملات میں دخل دے

ب، اس نے شادی شدہ مرد اور عورت دونوں کو اگر وہ آپس میں اتحاد کے ساتھ رہنا غیر ممکن سمجھیں، طلاق کا اختیار دیا ہے اور طلاق بغیر عدالت یا قضیہ کے دی جاتی ہے۔

ششم، اس میں مثل اقبال گنہ گنہ (کفیشن) کے کوئی رسم نہیں ہے اور اس کے معنی میں کہ سب

آگے ہیں، اور گھر کا درزی عموماً باضابطہ خانگی ملازمین میں سے نہیں ہوتا
لیکن اب تک خود بیوی بہت سے کاموں کی نگرانی کرتی ہے جو شاید اس
عورت کے لیے جو دنیا سے علیحدہ بند کر دی گئی ہے ایک ایسی نعمت ہے جو
نظر نہیں آتی۔

وہ صحیح ممنوع میں ایسے گھر کی عورت ہیں، جس کو وہ اپنی دنیا خیال کرتی ہیں،
ہم کو اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ گھر میں بلند مرتبہ ہیں اور جتنا ہم خیال کرتے ہیں وہ
اس سے بہت زیادہ با اختیار ہیں اور بہ نسبت ہم مغربی دنیا کی عورتوں کے
مردوں پر زبردست اثر رکھتی ہیں۔

اسی مصنفہ نے پھر ۱۹۱۵ء میں ایک کتاب ”حرم اور پردہ“ کے نام سے شائع کی ہے

(بی بی نٹ نمبر ۱۶۴) انسان کیساں ہیں اور سوائے خدا کے اور کوئی انسانی گناہ کو نہیں مٹا سکتا۔

ہفتم اس نے رہبانیت کی سختی سے مخالفت کی ہے کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔

ہشتم، اس میں صفائی اور حفظ صحت کے شدید احکام ہیں اور وہ اسے دین کا ایک جز شمار کرتا ہے۔

میرے دوست نے آٹا اور افسانہ کیا ہے کہ میں یہ نہیں کہتی کہ سب مسلمان اپنے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

کے ان احکام کی اس سے زیادہ پابندی کرتے ہیں جتنی تمام ہندوستانی حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کی کرتے ہیں

لیکن یہ اسلام کے اصول میں داخل ہیں جیسا کہ ہماری مقدس کتاب میں ہے (صفحہ ۳۲ تا ۳۲۹)۔

The women of Egypt By Elizabeth Cooper

جو مشرقی ممالک میں اُس کی سیاحت کا حاصل ہے اس میں اگرچہ مشرقی عورتوں کی جمالت وادھام پرستی اور دوسرے رسم و رواج کا بھی تذکرہ ہے اور جابجا تعصبات بھی کام لیا ہے لیکن اُس کے دیباچہ کا حسب ذیل حصہ مشرقی عورت کی اس عظمت کا اعتراف ہے جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے وہ دیباچہ کی ابتدا اس قول سے کرتی ہے۔
 (تو دشمن ہر جو حکم دیتا ہے میں اُس کو بے دلیل مانتی ہوں، ایسا ہی خدا کا حکم ہے۔
 تیرا قانون خدا کا قانون ہے تو میرا ہی اس سے زیادہ نہ جاننا عورت کا فخرت بخش علم اور اُس کی تعریف ہے۔)

مشرق کی عورت کا آج بھی عقیدہ ہے یہ وہی ہے جو صدیوں پہلے تھا، یہی آئندہ صدیوں تک قائم رہے گا، ہاں یہ ایک سوال ہے کہ آیا مشرقی عورت معذرت اپنی تمام غبی اور معاشرتی ترقی کے جس کا آغاز ہو گیا ہے، کبھی اپنے آپ کو ان روایتی اور جبلی اثرات سے آزاد کرنے کے قابل ہوگی جو مشرقی انسانیت کا تانا بانا رہے ہیں۔

مشرقی عورت ابتدا ہی سے روایت پرست رہی ہے وہ بہ نسبت مغربی عورت کے موردِ وثی دھانات میں زیادہ گھری ہوئی ہے، سالہا سال سے اُس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ اپنی معاش اور حفاظت کے لیے شوہر کی محتاج اور حد سے زیادہ بھروسہ کرنے والی ہے۔

(اس کا پردہ میں رہنا اس کے لیے غلامی یا قید کے منی نہیں رکھتا جو مغربی اس

لفظ سے خیال کرتے ہیں، یہ اُس کے لیے حفاظت اور دلچسپی کی ایک عبا ہے جو اُس کے سردار اور آقا نے اُسے پہنائی ہے، اس نے اس کے نازک بنانے میں اعانت کی ہے اور اسی سبب سے فطرۃ اُس کی ایسی ناقابلیت میں اضافہ ہو گیا ہے کہ جس سے وہ اُس کام کے ناقابل ہو گئی ہے جو کہ مردوں کے کام کی طرح ہو، اور ایک حد تک قابل تعریف اور ترقی کرنے والی جا پانی عورت کو مستثنیٰ کر کے مشرقی عورت پر اُس کی معاشی ضروریات کا اثر ہے اور وہ اُسی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، عورت کے ساتھ مشرقی برتاؤ نے جو عام طور پر اُس کو جاہل رکھنے اور یہ خیال کرنے کا رہا ہے کہ اُسکی خوبیاں علاوہ اس کی طبعی دل ربائیوں کے کم ہیں ایسی صفتِ اناث پیدا کر دی ہیں جو بچائے خود خاص ہو سکاں بچا کیلئے عورت ہی جو بیرونِ خانہ اپنی معاش پیدا کر نیکی طاقت نہیں رکھتی اور بطور ایک قدرتی نتیجے کے اس کے تمام غور اور تخیلات کا رخ معاملاتِ خانگی کی طرف ہو گیا ہے۔

(مشرقی عورتوں کی سلطنت ابتدا ہی سے گھر کی سلطنت ہے، اُس میں شہد کی مکھی کی سچی روح ہے وہ خانہ داری کی مجموعی فلاح کو اپنی فلاح سے مقدم سمجھتی ہے اس کا بڑا کام ایک بیوی اور ماں ہونا ہے، وہ بالذات اپنی خانہ داری کے فرائض میں مصروف رہتی ہے اور خانگی کام اس کے لیے ذلت کے باعث نہیں ہیں، اس کے بچے اس کے لیے اصلی مشغولِ زندگی ہیں وہ بالذات ان کی خبر گیری کرتی ہے ان کے ہر فعل کی نگراں رہتی ہے اور ان کے نشوونما کا نہایت غور کے ساتھ خیال رکھتی ہے

مشرق کی اعلیٰ طبقہ کی خاتون بھی خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکانا اپنی شان کے منافی تصور نہیں کرتی، جسے وہ جانتی ہے کہ گھر کے لوگ رغبت کے ساتھ کھائیں گے، فی الحقیقت مشرق میں کھانا پکانا، ایک فن لطیف خیال کیا جاتا ہے اور نفیس کھانوں کی ترکیبیں بطور ورثہ کے بیٹی کو ماں سے مثل خاندانی زیور کے بھونچتی ہیں۔

مشرقی عورت کی عزت اس کی خانہ داری کی عزت سے کی جاتی ہے، اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند اور اپنے بیٹوں کے جاہ و ترقی کو ممکن بنائے، وہ اُس روشنی میں چمکتی ہے جو ان کی کامیابیوں سے نکلتی ہے، نہ اس کو سکھلایا گیا ہے اور نہ اُس کو کوئی شوق اس مغربی بلند نظری کا ہوتا ہے، جس سے اُس کی ناموری اور شہرت ہو اُس کو پردہ میں رہنے سے ایک خاص خوشی اور اطمینان ہوتا ہے۔

جس کی مغربی نقطہ نظر سے کوئی مشکل قدر کر سکتا ہے، یہ امر کہ مشرقی عورت اپنی کامیابی بہ نسبت سوشل امور کے خانگی امور میں تصور کرتی ہے یہ ہر اس خاتون پر بخوبی واضح ہے جو ان ممالک میں ان عورتوں کے ساتھ رہی ہو۔

الجیریا سے ٹوکیو تک ایک بڑی تمنا جو ہر ایک مشرقی عورت کے دل میں ہوتی ہے۔ خواہ وہ کہیں کی رہنے والی اور کسی رتبے کی کیوں نہ ہو، یہ ہے کہ، میرے بیٹے ہوں اولادِ زرینہ کی اس خواہش اور عورت کے اس عقیدہ نے کہ یہی ابتدائی اور انتہائی مقصدِ نسائیت کا ہے مشرق کی تمام عورتوں میں شادی کے رواج کو عام کر دیا ہے شاد و ناد رہی کوئی عورت بن بیاہی ہوتی ہو ہندوستان میں شادی کی ابتدا بچپن

میں منگنی کی رسم سے ہوتی ہے، ان ممالک میں بھی جہاں تعلیم اور مغربی اثر کی وجہ سے شادی کی عمر بڑھائی جا رہی ہے کسی کو اس احساس میں ذرا بھی کمی نہیں معلوم ہوتی کہ عورت کی دنیا اس کا گھر ہے اور اُس کے بچے اُس کے سامنے ہوں،

مصر میں ایک کروڑ بیس لاکھ کی آبادی میں ایک کروڑ مسلمان ہیں، اور مشرقی عورت کے متعلق کچھ سمجھنا اور اس کے قائم کرنا اُس وقت ہو سکتا ہے جبکہ اُس کے مذہب سے تھوڑی بہت واقفیت ہو، کیونکہ مسلمان کی عام زندگی میں مذہب کا بڑا جزو ہے۔ ہندوستان، عرب، مصر، ایران اور الجزائر میں مسلمان عورتیں اپنے عربی پیغمبر کے احکام کی تعمیل اپنا فرض سمجھتی ہیں، اور آج بھی ان کی بیرونی اور خانگی زندگی اسی قانون کے ماتحت ہے۔

ایک مصری عورت اُسی وقت سے جبکہ اُس کی عمر سات یا آٹھ سال کی پہنچاتی ہے، کبھی اپنا بے نقاب چہرہ سوائے اپنے باپ، بھائی یا شوہر کے کسی کو نہیں دکھلاتی، عربی پیغمبر کی پیروی عورتوں کو کوئی موقع ان چھوٹی چھوٹی طرالیوں کا نہیں دیا جاتا جن کو ان کی بہت سی مغربی بہنیں دل سے نہایت عزیز رکھتی ہیں۔

مسلمان عورت کے لیے پردہ کوئی بوجھ نہیں ہے بلکہ وہ اُس کو اپنے شوہر کی

۱۶
The Harim and the Purdah By Elizabeth
Cooper P.P. ۹ to ۱۲. ۱۹۱۵.

۱۷ حرم اینڈ پردہ صفحہ ۲۶ سے صفحہ ۳۱ و ۳۲ سے صفحہ ۳۳ و ۳۴

خواہش اور اپنی مخالفت کے لیے تصور کرتی ہے اور سب سے اول وہ اپنے پردہ توڑنے کی مخالفت ہوگی، کیونکہ اس سے ظاہر ہوگا کہ اُس کی وقعت اپنے شوہر کی نظروں سے جاتی رہتی ہے نہ۔

عورتیں جیسا کہ لفظ کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے قیدی نہیں ہیں، اور نہ اُن کو کھڑکیوں کے پیچھے رہنا زبوں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم کو بعض اوقات بعض ناول نویسوں کی تحریروں سے خیال ہوتا ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کی ملاقات کو نہایت آزادی سے جاتی ہیں اور اُن کی یہ ملاقات اُن چند بے فائدہ معاملات کے متعلق نہیں ہوتی ہے جو عموماً مغربی عورتوں کی گفتگو میں نمایاں ہوتے ہیں، جبکہ وہ ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے سہ پہر کو جاتی ہیں، یہ سرسری ملاقات کے لیے نہیں جاتی ہیں، بلکہ کئی کئی گھنٹوں حتیٰ کہ دنوں کے لیے ملاقات کے واسطے جاتی ہیں۔ مشرقی عورت کو خوشبوئیں پسند ہوتی ہیں اور وہ ان کو بہت زیادہ یہ نسبت ہماری مغربی بہنوں کے خوشگوار تصور کرتی ہے۔

مسٹر عبد الحمید (دی میٹر) کہتی ہیں کہ۔

(یہ رواج کہ بیویوں کو گھر کے اندر رکھا جاتا ہے اس وجہ سے ہے کہ کوئی اُن کی

بے حرمتی نہ کرے یہ وجہ نہیں ہے جیسا کہ عام خیال ہے کہ اُن کو غلام کی طرح بنایا

۱۷ حرم اینڈ پردہ صفحہ ۴۷-۵۷ سیلون کے ایک نو مسلم سولین کی نو مسلم بیوی صفحہ

ووم سائیکلو پیڈیا۔

جاتا ہے، میں خیال کرتی ہوں کہ مسلمان عورت کی اس کی انگلستانی بہن سے بہت زیادہ اچھی حالت ہے، اگر اُس کے ساتھ برابر ناؤ گیا جائیے تو وہ طلاق بھی سکتی ہے۔ امریکن سائیکلو پیڈیا میں ایرانی عورتوں کی زندگی پر جو بحث کی گئی ہے اُس میں بھی باوجود چند اعتراضات کے یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ

کثیر التعداد عوام الناس ایک سے زیادہ شادی نہیں کرتے اور عورتوں کی حالت معقول اور آسائش کی ہوتی ہے، اعلیٰ طبقہ کی عورتیں کاہلی، عیش اور ایک ہی قسم کی حالت میں گذارتی ہیں۔ دنیائے عیسائیت کی عام رائے کے برخلاف ان کو بہت آزادی اور شاید زیادہ آزادی یورپ کے اس طبقہ کی عورتوں کے مقابلہ میں ہوتی ہے اعلیٰ طبقہ کی عورتیں اکثر پڑھنا لکھنا جانتی ہیں اور خاص ایرانی شعرا کی نظموں کو بھی پڑھتی ہیں، یہ ایران میں نسوانی زندگی کی نہایت عمدہ صورتیں ہیں۔

ڈاکٹر لیبان مصنف تمدن غرب لکھتا ہے۔

(۱) اہل یورپ میں عموماً مشرقی حرموں کی نسبت بہت غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں وہ حرم کو ایک مقام عیش و عشرت سمجھتے ہیں جہاں مصیبت زدہ قیدی عورتیں کاہلی کی زندگی بسر کرتی ہیں اور اپنی حالتوں پر روتی ہیں۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ خیال کس قدر خلاف واقعہ ہے جو یورپ کی بیبیاں مشرقی حرموں میں گئی ہیں انھیں ایسی عورتیں دیکھ کر نہایت تعجب ہوا ہے جو اپنے شوہروں سے

محبت کرتی ہیں۔ بچوں کی پرورش اور انتظام خانہ داری کی محنت اٹھاتی ہیں۔ اپنی حالت پر آسودہ اور قانع ہیں اور اس کو اپنی یورپ کی بھنوں سے بدلنا عار سمجھتی ہیں یہ بیبیاں نہایت ہمدردی کے ساتھ یورپ کی عورتوں پر افسوس کرتی ہیں کہ وہ معاملات کے جھگڑوں اور محنت جسمانی کی تکالیف میں مبتلا ہیں۔ برخلاف اس کے خود ان مشرق کی بیبیوں کو بجز خانہ داری کے اور کوئی شغل نہیں ہے اور ان کی نظروں میں اور ان کے شوہروں کی نظروں میں بھی مثل عورتوں کیلئے موزوں بھی ہر شرتی لوگ اہل یورپ کو جو اپنی عورتوں کو تجارت اور حرفت اور معاملات کی شرکت پر مجبور کرتے ہیں۔ اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جس نظر سے ہم اس شخص کو دیکھیں جو گھوڑ دوڑ کے گھوڑے کو کسی ہل میں جوت دے۔ یا اس سے چکی چلوائے۔ ان کی نظروں میں عورت کا کام یہی ہے کہ وہ مرد کی زندگی کو پر لطف بنائے اور بچوں کو تعلیم کرے۔ اور وہ ہرگز قبول نہیں کرتے کہ جو عورتیں اور اشتغال میں مصروف کی جائیں وہ اپنے اس فرائض کو درست طور پر ادا کر سکیں گی۔ انسان کے دل پر ہمیشہ اس قوم کا اثر ہوتا ہے جس کی معاشرت کو اس نے برائے العین دیکھا ہے اور بلاشبہ خود میرے خیالات اسی وجہ سے اس معاملہ میں مشرقیوں بالکل متفق ہیں۔)

۱۹۰۶ء میں اخبار آبنرور لاہور میں ایک سلسلہ تعلیم نسوان کے متعلق شائع ہوا تھا اور مضمون نگار نے اس سلسلہ میں خانگی زندگی پر ایک مسلمان اور ایک امریکن کے مضامین

کا اقتباس دیا تھا جو اس موقع پر مقابلہ و محسوس ہے۔ مسلمان نقطہ نظر سے یوں خاکہ کھینچا گیا ہے۔

(وہ اپنے گھر کی مالکہ اور اپنے محدود چار دیواری کے اندر بالکل آزاد لیکن خوش ہوتی ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے روشن فرشتے اس کی ہستی کی خوشیاں ہوتی ہیں وہ ان کی خبر گیری کرتی ہیں۔ ان کو آسانی خوشی ہوتی ہے وہ اکثر گیت گا کر سناتی رہتی ہیں۔ اور ان کی محبت میں اس کا گدہ رتا ہوا وقت بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بیٹیاں علی الصبح اٹھتی ہیں۔ فرض نماز ادا کرنے کے بعد ایک بار قرآن شریف کا تلاوت کرتی ہیں۔

اس کے بعد وہ اپنے گھر کے کاموں میں مصروف ہو کر سلائی وغیرہ کے کام کرتی ہیں، اس کام میں ہندوستانی عورتیں بہت فوقیت رکھتی ہیں جب وہ گھر کا کام کر چکتی ہیں تو کسی آنے جانے والی خاتون سے ملاقات کرتی ہیں دن کے آخری اور رات کے ابتدائی حصہ کو وہ اپنے شوہر کی محبت میں گزارتی ہیں جن کو دن بھر کی محنت کے بعد گھر کی بہ راحت بہت خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ مسلمان عورت کے لیے اس کا خاوند سب کچھ ہوتا ہے۔ اس کی روح اور اس کی جان اس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ وہ حتی الامکان اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ اس کا خاوند خوش و خرم رہے وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتی ہے کہ گھر کی بھلائی کا خیال رکھے اپنے شوہر میں اچھی خصلتیں پیدا کرے۔ اور اس طور سے وہ دن کے ڈراما کو اس کی

طرح طرح کی خوشیوں میں گزار دیتی ہے یہ سچ ہے کہ اس میں تھپڑ کی بارشوں کا لطف نہیں ہے۔ لیکن یہی نصب العین زندگی ہے۔ اس کو جو خوشی اپنے خاوند اور بچوں کی محبت میں حاصل ہوتی ہے وہ ایک کافی صلہ ان تمام خدمات کا ہوتا ہے جو کچھ وہ کرتی ہے۔ اور جس کی متوقع ہے۔

اس کے برخلاف ایک امریکن اہل قلم مغربی عورت کی خانگی وازدواجی زندگی کے متعلق لکھتا ہے۔

”وہ اپنے معاملات میں اس قدر منحوتی ہے کہ اپنے شوہر کی دلچسپیوں اور تفکرات کا مطلق خیال نہیں کرتی۔ جبکہ اس کا شوہر تھکا ہوا اور دن بھر کی محنت سے چور ہو کر گھر واپس آتا ہے تو اُس کو اس امر کی توقع رکھنا بے کار ہے۔ کہ وہ کسی قسم کی آسائش کی امید اپنے قدرتی مددگار سے رکھے بلکہ اُس کی خوش قسمتی اسی میں ہوگی کہ اس پر پاتے کے ساتھ ہی خفیف خفیف شکایتوں اور گھر کے جھگڑوں کی ایسی بو بھار نہ پڑنے لگے۔ جس کو اُس کی بیوی بلا کسی تامل کے اپنے شوہر کے کان میں ڈالنا شروع کر دیتی ہے جب اس امر کی ضرورت ہوگی کہ گھر کے خرچ میں کمی کی جائے وہ ٹھیک اسی وقت زیادہ روپیہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور اُس وقت جب اُس کی توجہ کسی ضروری معاملہ کی طرف متوجہ ہونی چاہیے وہ اپنا وقت خفیف خفیف باتوں کی بحثوں میں صرف کر دیتی ہے اُس کے ہمدردی کی کمی کا اندازہ اُس وقت اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جب اُس کا شوہر بیمار ہوتا ہے اُس وقت اُس کی غیر ہمدرد

بیوی کی صریح خود غرضیاں بالکل ظاہر ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے خاوند کی تیار داری یا اُس کی محبت بالکل بھول جاتی ہے۔ وہ اگر اپنی شکایت کو چھپائے رکھے تو وہ کبھی دریافت نہ کریگی اگر اپنی تکلیف کے متعلق کچھ کہے تو وہ کان نہ دھریگی بلکہ خاموشی کے ساتھ اس کان سن کر اُس کان اڑا دیگی نہ وہ کبھی اس کے تکیہ کو ملائم کرنے کی کوشش کریگی۔ اور نہ اُس کے سر کو دبا لے گی۔ نہ اُس کے ہاتھ کو چھوئے گی بلکہ اُس کو تنہا چھوڑ دے گی اور وہ صبر کے ساتھ اپنی بیماری کو جس طرح ہو سکے گا برداشت کریگا۔ حقیقت میں اس وقت وہ اُس وقت سے بھی زیادہ تنہا ہے جب وہ کنوارا تھا کیونکہ وہ اپنی اس بیوی سے اپنے آسائش کی توقع برفائدہ رکھتا ہے جو اُس کی پروا بھی نہیں کرتی۔ وہ اُس کی خوشامدوں اور منتوں کے خلاف کسی ڈنریا شام کے وقت پارٹی کو قبول کر لیتی ہے اور وہاں مذاق اور دل لگی کی باتوں میں مصروف رہتی ہے۔

اب ذیل میں دو اور اقتباس قابل مطالعہ ہیں جو مغربی خواتین نے مسلمان گھروں کے متعلق تحریر کئے ہیں۔

لوسی۔ ایم۔ جی۔ گارنٹ خواتین ترک کی نسبت لکھتی ہیں۔

مثل تمام اہل مشرق کے خاتم صبح سویرے اُٹھتی ہے اور تمہارا سگارا پینے اور کپڑے درست کرنے کے بعد خاوند کی خدمت کے لیے تیار ہو جاتی ہے اس کے

لے از ترجمہ ویمن آف ٹرکی مطبوعہ خادمہ تعلیم پریس لاہور۔

سلیپر چٹائی کے پاس رکھتی اور اُسے پہننے کے واسطے کوٹ دیتی ہے اور جب وہ آرام سے مسند پر بیٹھ جاتا ہے تو ابرق سے ایک پیالی میں تھوہ افندیل کر اور ایک ظرف دشتری پر رکھ کر اُسے دیتی ہے۔ بعدہ جیوک (حقہ) تیار کر کے اُس کے پاس لاتی ہے۔ اس اثنا میں کینریس لیستروں کو تہ کرتیں اور الماری میں لیجا کر رکھتی ہیں پھر چھوٹے چھوٹے بچے اُسی رات کے لباس میں باپ کا ہاتھ چومنے آتے ہیں اور والدین ان کو پیار کرتے ہیں وہ ہمارے کچھ کھانے کے لیے غل مچاتے ہیں۔ ماں ان کو کچھ پیسے دیتی ہے جس سے وہ سودا لیکر کھاتے ہیں اور اس کے بعد اُن کو لباس وغیرہ سے آراستہ کر کے (لالہ خادم) کے ساتھ مکتب بھیج دیا جاتا ہے چھوٹے بچے دادی دادا کیساتھ سائے گھر میں گھومتے رہتے ہیں۔ آفندی جب گھر سے چلا جاتا ہے تو خانم اول حبشی النسل ماما کے ساتھ بازار سے جو کچھ سودا سلف (ایلو) (خادم) نے جو کہ عموماً ارمنی ہوتا ہے لا کر دیا ہے معائنہ کرتی ہے اگر اچار وغیرہ بنانے کا کام باورچی خانہ میں درپیش ہے تو خانم بھی ضرور اس میں مدد دیتی ہے کپڑوں کے دھونے اور استری کرنے میں بھی وہ اور اُس کی لڑکیاں معقول حصہ لیتی ہیں۔

یورپ کی ایک اور خاتون لکھتی ہیں کہ

لے ماخوذا ایڈوکیٹ آف انڈیا بمبئی Advocate of India, Bombay

ظلال سلطان جنوری ۱۹۱۶ء جلد ۳ نمبر ۸۔

میں آپ سے بیان کرتی ہوں کہ ایک مشرقی حرم میں زندگی کسی طور پر بھی اس شہور خیال کے موافق نہیں ہے جو اس کے متعلق عوامانہاں کیا جاتا ہے وہ زندگی اس زندگی سے بالکل مختلف ہے جس کا خاکہ ان ناولوں میں کھینچا گیا ہے جو ہم پڑھتے ہیں یا جس کا اظہار تھیٹر کے اسٹیج پر کیا جاتا ہے وہ زندگی ان سب سے بہت دور اور علیحدہ ہے حرم وہ مقام ہے جہاں پر ایک انسان کو بہت سی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں جن سے ہم عورتوں کو بہت زیادہ نفع پہنچے گا۔ اگر ہم ان کو دل میں کھیں اور ان پر عمل کریں جو صورتیں بیت ہی علی وجہ کی ہشاش بشاش اور نہایت ہی مطمئن اور قناعت کی حالت میں۔ میں نے کبھی اپنی زندگی میں اگر کہیں دیکھی ہیں تو وہ حرم کی صورتیں ہیں ان ساکلو پیڈ یا برٹانیکا کا ایک مضمون نگار جو عام یورپین مصنفین کی طرح پردہ کا سخت مخالف ہے۔ ایک مخالفانہ بحث کے بعد بالآخر اس امر پر مجبور ہوا کہ وہ پردہ نشین مسلمان عورتوں کی خانگی زندگی کی برتری کو تسلیم کرے وہ لکھتا ہے کہ۔

اس میں شک نہیں کہ ان کے اس مفید رہنے کا بہت کچھ معاوضہ مل جاتا ہے اور قانونان کے حقوق اور تعلقات بمقابلہ عیسائی عورتوں کے جو اپنے خاوند کی محبت میں کسی کو شریک نہیں رکھتیں اور جن کے یہاں مذہباً کثرت ازدواج ناجائز ہے۔ بدراجا احسن اور بہتر ہوتے ہیں جب سے کہ کوئی عورت خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی کسی شخص کی زوجیت میں شامل ہو جاتی ہے اُس وقت سے شوہر اُس کا اور اُس کے بچوں کا

پورے طور پر کفیل قرار دے دیا جاتا ہے اور وہ اپنے شوہر کی ملکیت روپیہ پیسہ اور غلاموں، ملازموں پر پورے مالکانہ حقوق رکھتی ہے۔ حالانکہ مذہب اسلام میں طلاق دینے میں اس قدر سخت پابندیاں نہیں ہیں، جیسی عیسوی مذہب میں؛ لیکن طلاق کے بعد بھی عورت کے نان نفقہ کا ایک حد تک بند و بست کر دیا جاتا ہے (۱۷)

ایک لیڈی مشرقی مستورات پر ایک مضمون میں لکھتی ہیں۔
 کئی شادی والے مکان میں داخل ہو یا کسی خوشی کے موقع پر ایسے مکان میں جہاں مستورات جمع ہوں جاؤ تو تمہیں وہ منظر نہایت دلکش معلوم ہوگا اور بیخوبی شروع و اختتامی کے خوفناک اثر سے ابھی تک پاک ہے، دنیا کے ان (مشرقی) حصوں میں کسی نوجوان لڑکی کا خراب بد چلن ہونا محسوس ہے۔ مشرقی خاندانوں میں احساس شائستگی اعلیٰ ترین طور پر حکمراں پایا جاتا ہے۔ وہاں انسانوں میں کچھ ایسا حجاب و لحاظ ہوتا ہے جو کہ کل اقوام یورپ کو پیچھے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے باہمی ناز و نیاز عشق و عیش بازی وغیرہ کے مضامین وہاں معرض گفتگو میں نہیں آتے۔ دعوتوں اور جلسوں میں مرد و عورتوں سے علیحدہ رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ خانہ خدایں بھی اس قسم کی پابندی لازم ہے۔

Lady's Realm, London Oct. 1903. ۱۷

ترکوں کی معاشرت بجالہ لیڈیئریم لندن اکتوبر ۱۹۰۳ء۔

مخالفین پردہ کے دلائل ورائے کی تردید

بے پردگی کے نقصانات اور پردہ کے فوائد کی جو تفصیل اوپر گذر چکی ہے اُس سے کوئی صاحب بصیرت شخص انکار نہیں کر سکتا لیکن جو لوگ پردہ کے مخالف ہیں وہ پردے کو متعدد ذریعوں کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اس لیے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان کا خیال صحیح ہے یا نہیں؟

پرنے کا تعلق فارغ البالی سے | پردہ شکن لوگوں کا خیال ہے کہ بے پردہ عورتوں کی زندگی بمقابلہ پردہ نشینوں کے فارغ البالی سے گذرتی ہے اور وہ اپنی روزی کمانے کی خود صلاحیت و قابلیت پیدا کر لیتی ہیں اور پردہ نشین عورتیں دوسروں کی محتاج رہتی ہیں لیکن درحقیقت واقعات اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔

مسٹر جان پارکینسن اخبار کرٹینٹ لورپول میں لکھتے ہیں کہ

”ہمارے شہر کے خراب حصہ میں ہزاروں عورتیں بھوک سے مرتی ہیں زرد و عورتیں اور کمزور لڑکیاں چند پیسے روز پر سب سے شام تک کام کرتی ہیں اور شب کے

Mr John Parkinson Crescent Liverpool.

۱۷ اخبار محمدن مدراس ۲۰۔ جنوری ۱۹۰۲ء۔

وقت اس غرض سے اپنی عزت فروخت کرنے کے لیے نکلتی ہیں کہ بسر اوقات کے لیے کافی کمائی کریں۔“
صاحب اُمّ الدنیا لکھتے ہیں۔

تتو مغربی عورتوں میں (یعنی وہ جو پردہ نہیں کرتی ہیں) ۱۵ عورتیں پیشہ ور ہیں وہ اپنی معاش حاصل کرنے کو کوئی پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں اُمّان تنو عورتوں میں سے جنہوں نے پردہ کو ترک نہیں کیا ہے۔ فی صدی نصف عورت ہے جو کوئی پیشہ کرتی ہے اور یہ ایک ظاہر دلیل ہے اس بات کی کہ اُن شہروں میں جو پردے کے رواج سے خالی ہیں تنگدستی اور مفلسی بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے یہاں تک کہ عورت خود اپنی ذات کے لیے معاش حاصل کرنے پر مجبور اور کوشاں ہوتی ہے اس میں اُس کا کچھ قصور نہیں بلکہ تمام قصور ہے اُن مردوں کا جو عورت کے لیے اس مصیبت اور بختی کا سبب ہوئے ہیں۔ بلکہ اس لپٹی کا۔

برخلاف اس کے جہاں پردہ ہے وہاں یہ حالت ہے کہ عموماً مرد کی تمام کمائی کا مصرف اُس کا گھر اور خاندان ہوتا ہے اس حالت کے متعلق موسیوے وژانی قاہرہ کے مدرسہ السنہ کے مدیر لکھتے ہیں۔

(مسلمان عورتیں حرم کی بند زندگی بہرگز مصیبت نہیں خیال کرتیں۔ چونکہ وہ اسی حصار کے اندر پیدا ہوئی ہیں اور یہیں نشوونما پائی ہے۔ ان کے خیال میں نہیں آتا کہ

عورتوں کے لیے کوئی دوسرا، یا اس سے بہتر طریقہ زندگی بھی ہو سکتا ہے۔
یورپ کی عورتوں کی آزادی کو وہ مذموم سمجھتی ہیں۔ حرم ہی ان کے بچپن کے
کھیلوں، اُن کی ابتدائی خوشیوں اور رنجوں کا میدان ہے۔ کہتے ہیں کہ عادت
فطرتِ ثانیہ ہے اور حرمِ مشرقی عورتوں کے لیے فطرتِ ثانیہ ہو گیا ہے۔ اس
محدود دائرے میں حرکت کرنے کی وہ اس قدر عادی ہو گئی ہیں کہ خواب و خیال
میں بھی اس سے باہر قدم رکھنے کا ارادہ نہیں کرتیں۔ جب شادی کا زمانہ آجاتا
ہے تو وہ اپنی ماں کے حرم سے نکل کر شوہر کے حرم میں چلی جاتی ہیں۔ ان کے
اشغال بالکل نئے ہیں اور نہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم نے اُن کی ہواؤں ہوس کو اس درجہ
مشغول کیا ہے کہ وہ اپنی موجودہ زندگی کی راحت سے تنگ اگر دوسری
حالت کی خواہش کریں۔ اُن کے شوہر جو کچھ تکلف اُن کے لیے کرتے
ہیں وہ اُنھیں بہت جلد آسودہ اور قانع کر دیتا ہے کیونکہ مسلمانوں میں جس قدر
چیزیں عمدہ ہیں وہ حرم کے لیے ہیں اور ہر ایک مسلمان اپنی بیویوں کے گھرؤں
ساری آرائش اور زینتوں کو ختم کر دیتا ہے اور بمقابل اس کے وہ خود بہت
ہی سادگی پر قناعت کرتا ہے۔

یورپ میں عورتوں کا بیشتر حصہ چونکہ خود اپنی روزی کمانے کے لیے مجبور ہے
اس لیے نوجوان لڑکیاں کارخانوں اور دکانوں وغیرہ میں کام کرتی ہیں اور اُس کی
اُحرت و تنخواہ سے وہ اپنے اسبابِ معیشت فراہم کرتی ہیں ان کے اس طرح کام

کرنے سے ہمیشہ خوفناک نتائج کا سامنا رہتا ہے ان نتائج کا خیال کر کے انگلستان کی مشہور الشاپرڈ از خاتون اپنی رودٹ نے ۱۰ مئی ۱۹۱۰ء کے رسالہ ایسٹرن میل سے رسالہ شجرۃ الدریں جو پہلی جلد کے چھٹے نمبر میں شائع ہوا تھا ایک مضمون نقل کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

جب ہماری لڑکیاں گھروں میں ملازمہ یا ملازمہ کی طرح کام کرتی رہتی ہیں تو اچھی رہتی ہیں اُن کے کاغذات و غیرہ یکدم کرنے سے مجھے خوش ہے کہ وہ کسی بلا میں نہ گرفتار ہو جائیں۔ جہاں وہ ناپاک رنگ سے رنگیں ہوں۔ اور ان کی زندگی ہمیشہ کے لیے بے رونق ہو جائے کاش ہمارے شہر مسلمانوں کے شہروں کی طرح ہوتے جہاں لوڈیوں اور غلاموں میں بھی عصمت و عفت اور طہارت ہے اور وہ دونوں بھی آدم کی زندگی بسر کرتے ہیں اور گھروں کے مالک کی اولاد کی طرح پرورش پاتے ہیں۔ اُن کی آبرو سے کوئی بُرائی مس نہیں کرتی۔

ڈاکٹر ایون بلاک نے اپنی تصنیف۔ ہمارے زمانہ کی نفسانی زندگی میں اس حال کے متعلق ایک مفصل باب قایم کیا ہے جس میں اعداد و شمار اور واقعات جو اندوہناک

۱۵ ماغواڈا نام الدنیا صفحہ ۸۲ مولفہ علی احمد شہیدی۔

۱۶ دی سیکسویئل لائف آف اور ٹائم مضمون ڈاکٹر ایون بلاک۔ باب سیزدہم صفحہ ۳۳

مطبوعہ ۱۹۱۴ء۔ *The Sexual Life of our Time*
By Dr Ivan Bloch. (1914)

مرقع دکھایا ہے اُس کا حسب ذیل خلاصہ ہے۔

ایک طرف تو ملازم پیشہ عورتوں کو دن بھر کی محنت شاقہ کے بعد صرف اس قدر اجرت ملتی ہے کہ بدقت تمام گزراوقات ہو دوسری طرف اُن کے لیے ترغیب تحریریں کے ایسے مواقع موجود ہوتے ہیں جن کی بدولت وہ مشکل سے اپنے دامن کو پاک رکھ سکتی ہیں۔

ریویو آف ریلویوز نمبر ۲ صفحہ ۱۵۳ *Review of Reviews*

No 302 P. 153

فروری ۱۹۱۵ء میں ایک ڈاکٹر کے مضمون کا خلاصہ شائع ہوا ہے جس نے نیویارک کی مزدور پیشہ آبادی کے متعلق اپنے طویل تجربات کے نتائج کو یوں دکھایا ہے۔

نوعمر لڑکیاں جن کو بیوی اور ماں بننا چاہیے اپنی زندگی کے بہترین حصہ کو کارخانوں کی مزدوری اور تجارتی خدمات میں گزار دیتی ہیں۔ اور اپنے ملک کی سچی خدمت جو عورتوں پر فرض ہے نہیں کرتیں۔ اگر اُن کے اولاد ہوتی ہے تو خلافتِ قدرت سوشل اور مالی حالت میں ہوتی ہے یہ ماں کون ہوتی ہے ایک چالیس برس کی بڑھی عورت جو نہ تعلیمی لحاظاً اور نہ جسمانی حیثیت سے مان بٹے کے قابل ہوتی ہے بلکہ تجارت سے علمدہ کر کے اُس کو بقیہ حصہ زندگی اس تلخی سے گزارنے کیلئے ڈال دیا جاتا ہے اور یہ انسان کی شرمناک کوتاہ نظری، تباہی ناقابل معافی شکرگزاری اور خود غرضی کا ایک نمونہ ہوتی ہے۔

بچوں کی کثیر التعداد اموات کے انسداد میں کوئی تجویز اس قدر کامیاب نہیں ہو سکتی جس قدر یہ کوشش کہ عورتوں کو مالی حالت میں بے فکر بنادیا جائے

پردہ کا تعلق صحت سے [جو لوگ پردہ کے مخالف ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پردہ سے عورتوں کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور ایک محدود دائرہ کی ہوا ان کو کمزور کر دیتی ہے لیکن درحقیقت یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس زمانہ سے لیکر جب سے کہ پردہ کا رواج ہے اب تک یہ ضعف نسلاً بعد نسل نرتی کرتا ہوا یہاں تک پھونچتا کہ عورتوں کا وجود بالکل نیست و نابود ہو جاتا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایسی ضعیف تو ضرور ہی ہو جاتیں کہ چار پائی سے اٹھنا دشوار ہوتا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی صحت مردوں سے کچھ زیادہ خراب نہیں ہوتی بلکہ اس کے برخلاف یہ پردہ کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ بانی امراض جو اکثر متعدی ہوا کرتے ہیں زیادہ تر مردوں کو ہوتے ہیں اور عورتیں بنسبت مردوں کے بہت کم ایسے امراض میں مبتلا ہوتی ہیں جیسا کہ ایک ہندوستانی ڈاکٹر بالوبو میس چند جکرورتی نے اپنی کتاب پرائکٹس آف میڈیسن میں لکھا ہے کہ

”چونکہ عورتوں کا مزاج نازک ہوتا ہے اور ان کے عضلات نرم اور قوتِ حس میں تیزی ہوتی ہے اس لیے ان کی طبیعت عصبی و کمزوری کی بیماریوں کی طرف راغب رہتی ہے۔ عورتیں گھر میں بیٹھی ہوئی سینے کا کام انتظام سے کرتی رہتی ہیں ہر جگہ آمد و رفت نہونے کے سبب سے ان کو متعدی امراض کی جھوٹ نہیں لگتی

بدیں لحاظ مردوں کی نسبت و بائی امراض میں کم مبتلا ہوتی ہیں۔ عورتوں میں اکثر کمزوری کے سبب سے امراض لاحق ہوتے ہیں۔ اور ان کی بیماری بہ نسبت مردوں کے کم مہلک ہوتی ہے۔ چنانچہ از روئے مردم شماری دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ عورتیں مردوں کی ظلم و تعدی کی وجہ سے کمزور ہو گئی ہیں ورنہ خلقتاً وہ کمزور نہیں ہیں۔ لیکن اس کا جواب یہی ہے کہ عورتوں کی یہ کمزوری ان ممالک میں بھی موجود ہے جہاں پردہ نہیں ہوتا۔ اور وہاں کی عورتیں بھی مردوں سے اسی نسبت کمزور ہیں۔ جس طرح ان ممالک میں جہاں پردہ ہوتا ہے۔ یہ فرق جس طرح تمدن اقوام میں پایا جاتا ہے اُسی طرح وحشیوں میں بھی ہے۔

پرونیسرو و فارسی لکھتے ہیں۔

”جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قوتے کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے

تمدن شہر کے شالیتہ باشندوں میں نظر آتا ہے اُسی طرح امریکہ کے وحشی ترین

اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔“

اس سے کافی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وحشی اقوام میں تو پردہ کی قید و بند نہیں ہے۔ نہ وہاں کی عورتیں مردوں کے جبر سے اس طرح مجبور ہیں پھر وہ مردوں سے کیوں کمزور ہیں۔

۱۸ ماخوذ از المرأة السليمة صفحہ ۲۷۔

انسان کے علاوہ حیوانات و نباتات بھی اس فرق سے خالی نہیں ایسی حالت میں عورتوں کے خلقاً کمزور ہونے کو نہ ماننا بھی ایک عجیب بات ہے۔ حالانکہ اُس کے دل و دماغ جبکہ مردوں کی نسبت ضعیف ہیں۔ اور اس کے لیے مشاہدہ بالکل کافی ہے علاوہ اس کے وہ کتابیں جو محققین علم تشریح نے لکھی ہیں۔ بین ثبوت ہیں۔ (اس قدر بیان سے میری غرض یہ ہے کہ پردہ نہ تو ان کی صحت کے لیے مضر ہوتا ہے اور نہ اس سے وہ ضعیف ہوتی ہیں اور اگر یہی مان لیا جائے کہ ان کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا سبب پردہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی جسمانی ورزش نہیں کرتیں۔ اس سے دہلی تپلی اور کمزور ہو جاتی ہیں چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے کہ جو عورتیں خانہ داری کا انتظام اپنے ہاتھوں سے کرتی ہیں وہ ان عورتوں سے جن کا کام صرف پلنگ پر بیٹھا رہنا ہے صحیح اور ندرست ہوتی ہیں پراکٹس آف میڈیسن میں ہے۔

چونکہ بچوں کے مضبوط ہونے کے لیے اُن کی ماں کا قوی ہونا ضروری ہے اس لیے جو بیس گھنٹے کے اندر پانچ چھ گھنٹہ بھی مستورات گھر کا ایسا کام کاج کریں جس میں حرکت ہو تو ممکن ہے کہ سینہ چڑا ہڈیاں مضبوط اور قوی ہو جائیں اور بچے بھی قوی پیدا ہوں اور جب مستورات اپنے ہاتھ سے کھانا پکانیگی تو یہ ایک طرح کی ورزش ہوگی۔

ڈاکٹر کیلوگ لکھتے ہیں۔

زیادہ تر اشخاص کے لیے صحت کے لحاظ سے کسی قسم کی دوسری ورزش اس قدر مفید نہیں ہے جتنی کہ کوئی جسمانی محنت مستورات کے واسطے عام خانہ داری کا کام نہایت عمدہ طور پر اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ جسم کے مختلف رگ و پے اپنا اپنا کام کریں ساتھ ہی اس ذریعہ سے اتنے مختلف اقسام کی ورزش ہو جاتی ہو اور متواتر تبدیلی تیز تر ہو تا رہتا ہے کہ کوئی حصہ جسم بہت زیادہ نہیں تھک سکتا نیز اردل ایسی نوجوان مستورات ہیں جو اپنے خاندانی معالج کے زیر علاج گھل رہی ہیں۔ باوجودیکہ وہ اپنے عالمانہ اویسچیدہ نسخوں سے حتی الامکان اُن کی امداد کرتا ہے۔ جن کے لیے تبدیل آب و ہوا یا کسی دوسرے ملک میں ایک سال رہنا یا کوئی اس قسم کی اور گران تجویز کی جاتی ہے حالانکہ اگر دنیا میں کوئی چیز ان نازک عورتوں کو اچھا کر سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ چند ہفتے یا مہینے کے لیے گھر کا کاروبار کریں۔ انہیں چاہیے کچھ دنوں کے لیے پیانو یا ساربان یا چمور دیں۔ اور کھانا پکانا، کپڑے دھونا، ان کی مرمت کرنا چیزوں کو مل کر اور رگڑ کر صاف کرنا، مکان کو صاف اور ستھر رکھنا اور اسی قسم کی ہزاروں چھوٹی چھوٹی اور خانگی باتیں کرنا سیکھیں، جن کی وجہ سے ان کی مائیں اور نانیاں، دادیاں ان سے پیشتر صحتور اور قوی ہوتی تھیں۔ ہم نے ایک مرتبہ ایک کم عمر عورت کا علاج اسی طریقہ سے کیا۔ اسے ایک معمر ڈاکٹر نے

۱۰ ماغذات رزکوں کی معاشرت صفحہ ۵۰۔

دق کا علاج کرتے کرتے جواب دے دیا تھا اور اس کے اعزہ افسوس کے ساتھ اس کا رفتہ رفتہ گھٹنا دیکھ رہے تھے لیکن ہمارے علاج سے چند ہفتہ میں مس صاحبہ اچھی ہو گئیں اور اس وقت تک یہ صحت ہیں۔ لیکن چونکہ کام کرنے کا علاج ہم نے بتایا تھا اس وجہ سے وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے نفرت کرنے لگی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اگر کوئی ڈاکٹر یا اور کوئی شخص اس قسم کے مریض کے لیے اس طرح کا علاج اختیار کرے گا تو اسے بھی اسی وضع کا صدمہ لگے گا۔ دنیا میں کوئی ورزش گاہ ایسی نہیں ہے جہاں کی ورزش سے بہ نسبت باورچی خانہ اور کپڑے دھونے کی جگہ وغیرہ کے بہتر نتائج ظہور پذیر ہوں یہ سب مقام قدرت کی ورزش گاہ ہیں۔ ان میں کسی خاص سامان و اسباب کی ضرورت نہیں ہے۔ اور وہ ہمیشہ استعمال کے لیے تیار رہتے ہیں۔

پروردہ اور تعلیم اکثر روشن خیال اصحاب کہتے ہیں کہ پردہ میں ہماری لڑکیاں اعلیٰ تعلیم نہیں حاصل کر سکتیں اور اس طرح پردہ تعلیم کا باہر ہے۔ اسی خیال کا اثر حکام و منتظران سرشتہ تعلیم پر بھی ہوا ہے اور گویا پردہ کو ایک تسلیم شدہ وجہ مانع تعلیم قرار دے دیا گیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے پردہ میں تعلیم ممکن ہے اور حال کی چند مثالیں جو قابل تعریف مسلمان لڑکیوں نے یونیورسٹی کے امتحانات میں شریک ہو کر قائم کی ہیں۔ وہ صاف طور پر اس خیال کا بطلان کر رہی ہیں البتہ اس خیال اور اس رائے میں اس وقت استحکام ہو جاتا جبکہ پردہ کے ساتھ تعلیم کا پورا انتظام کیا جاتا اور یہ انتظام نامیاب ہوتا۔

جب تک کہ اس انتظام کو مکمل کر کے تجربہ نہ کیا جائے پردہ مورد الزام نہیں ہو سکتا۔
مسلمان لڑکیوں سے یہ توقع کہ وہ آزادانہ طور پر یا برقع و نقاب میں بھی لوگوں
کے ساتھ مدارس اور کالجوں میں تعلیم کی مختلف شاخوں میں شامل ہوں۔ اُن کے
احساس و اخلاق اور مذہب کی موت کے مرادف ہے۔

یورپ میں اگرچہ خاص خاص پیشوں اور تعلیم کے لیے عورتوں کے مخصوص مدارس
ہیں۔ لیکن عموماً ان کو مردانہ مدرسوں میں تعلیم دی جاتی ہے اور چونکہ آزادانہ میل جول
کے لیے مدرسہ اور سوسائٹی دونوں کی اجازت ہے اس لیے تعلیم اپنا انتشار اعلیٰ پورا
نہیں کرتی۔ دنیا جانتی ہے کہ اس وقت مغرب میں تعلیم نسواں کس درجہ پر ہے لیکن
تعلیم جیثیت تعلیم کے بالکل ہی ناکام رہی ہے اور جس قدر اسباب ناکامی پر غور کیا
جائے گا تو علاوہ نقص تعلیم کے یہ آزادی بھی ایک بڑا سبب بنے گا۔ اور آزادی کے ساتھ تعلیم
کوئی عمدہ اثر پیدا نہیں کر سکتی۔

ایک مصنف نے واقعات اور اعداد و شمار سے ثابت کیا ہے کہ

جن فضلاء اور ممالک میں ابتدائی تعلیم کا اعلیٰ معیار ہے ان میں اپنے جاہل

ہمسایوں کے مقابلہ میں کوئی اعلیٰ معیار نہیں پایا جاتا۔

اس کے علاوہ عورت اپنے فرائض حقیقی اور مقصد فطری سے بہت دور چلی جا رہی ہے

۱۵ *Illegitimacy by Albert Leffingwell M.D. 1892.*

جنوری ۱۹۱۵ء کے نمبر میں ریویو آف ریویوز ایک رسالہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ۔

ہم اپنی پوری طاقت اور اثر سے تعلیم کی ترقی میں کوشاں ہیں اور اس ترقی تعلیم کا اثر یہ ہے کہ عورت شادی اور پرورش اولاد سے منحرف ہوتی جاتی ہے انگلینڈ اور ویلز کے جنرل رجسٹر کے اعداد قابل لحاظ ہیں۔

وہ شہر جہاں لڑکیوں کو عموماً اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے دو لاکھ ۳۵ ہزار سو ستر کل آبادی اور ۶۲۷۳ تعداد پیدائش ۱۹۱۰ء۔

وہ شہر جہاں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کیاب ہے دو لاکھ ۳۳ ہزار دو سو نوے کل آبادی اور ۸۰۱۷ تعداد پیدائش ۱۹۱۰ء۔

علم نفس کے جاننے والے کہتے ہیں کہ عورتوں کو ایک خاص حد سے زیادہ تعلیم دینا ان کی منفی خصوصیات کو ضائع کر دیتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو تسلیم نسواں کے مسئلے کے ساتھ اعداد مردم شماری پر بھی نظر ڈالنی چاہیے۔ وہ لوگ (جنکی تعداد بہت نہیں) جو اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اوپر کے اعداد ملاحظہ کریں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ خیال صحیح ہے کہ عورتوں میں شادی اور پرورش اولاد کے پھیلنے ہوئے انحراف کا سبب تعلیم ہے۔ تو چونکہ تعلیم دن بدن ترقی پر ہے اس لیے اس کا یہ اثر صرف مزدور پیشہ جماعت یا اوسط

درجہ کے لوگوں میں ہی نہیں بلکہ اعلیٰ طبقہ میں بھی پایا جاتا ہے، اس کے لیے ذیل کے اعداد ملاحظہ فرمائیے۔

۱۹۰۴ء جملہ آبادی دو لاکھ پانچ ہزار دوسو پینتالیس پیدائش چار ہزار دوسو اٹھارہ۔

۱۹۱۰ء جملہ آبادی دو لاکھ بیس ہزار ۷ سو پچانوے پیدائش تین ہزار چھ سو ایک۔

امریکہ کا ایک مصنف اسی ناقص تعلیم کو جو ان ملکوں میں ہے شادیوں کی ناکامیوں کا سبب قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ

”اب عورتوں کو مدرسوں یا کالجوں میں مرد کے برابر دماغی اور جسمانی تعلیم دی جاتی ہے، جس میں پس کی عمر میں دھڑک جاتی ہے اور مایوسیوں سے ہمراہ ہوتی دنیا کے سامنے آتی ہے۔

اس کے کوئی اہم فرائض نہیں ہوتے کوئی دشوار کام کرنے کو نہیں ہوتے اور اس کی ترقی یافتہ قوتوں کے صرف کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہی باتیں اس کو قہر مصیبت میں ڈھکیل دیتی ہیں، کسی کے یہ الفاظ دیکھنے چاہئیں۔ الارم والی گھڑی کی طرح عورتیں کچھ دیر تک

۱۷ کتاب دہائی امریکن میریج فیل صفحہ ۷ او ۱۸۔

Why American Marriages fail.

امریکہ کی شادیاں کیوں ناکامیاب ہوئیں۔

مُرک جاتی ہیں۔

اور پھر یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ذات نسوانی بیوی کے درجہ میں داخل ہوتی ہے جس کے متعلق وہ ہمیشہ تاریکی میں رہتی ہے۔ چونکہ اس کو بتلایا نہیں گیا وہ شروع ہی سے نہیں سمجھی کہ اب اس کی زندگی ڈر بار محبت، یا خواب راحت اور آرام و سالیں کی زندگی نہیں بلکہ وہ زندگی کے ناگوار اور دشوار حصہ میں داخل ہو گئی ہے اور اُس کے خاوند یا اولاد سے اُس کو اپنی محبت کا بدلہ کبھی تھوڑا ملے گا اور کبھی بالکل نہیں ملے گا۔ جس طرح اس کو جغرافیہ پڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی بتلانا چاہیے کہ مرد میں اور ہر مرد میں جذبات کی چھوٹی یا بڑی لہر موجزن ہوتی ہے۔ اور ایک اچھی بیوی وہ ساحل ہے جس سے خاوند کی زندگی ٹکراتی ہے۔ اس مبہم تعلیم نے امریکہ والوں کو اچھے ملازم اور اچھی بیویوں سے محروم کر دیا یہ سب اپنے درجہ سے باہر قدم رکھ چلے ہیں۔“

اور اصل یہ نقص تعلیم کا نہیں ہے اور تعلیم کو ان نقائص کا ذریعہ قرار دینا ایک خیال غلط ہے۔ تعلیم جو بڑے اثرات سے صاف و پاک ہو ہمیشہ انسان کے لیے مفید ہوتی ہے اور اس سے اوصاف انسانی کو جلا ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت صحبت خراب ہو اور گرد و پیش سے اُن اسباب کو دور نہ کیا جائے جو بد اخلاقی کی تحریک کرتے ہیں تو بے شک ہی تعلیم جو اب حیات

زہرِ قاتل ہو جاگی!

زمانہ قدیم میں بھی بہت سی عورتیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے علم اور فنِ تقریر میں کمال حاصل کیا ہے۔ لیکن اس آزادی اور غلط اصول کی بدولت ان کی وقعتِ زنِ بازاری سے زائد نہ تھی چنانچہ یونان میں جبکہ سقراط جیسے مشہور حکیم کا زمانہ تھا۔ اور یہ ملک اپنی ترقی و تہذیب اور قوت کے لحاظ سے نہایت عروج اور اوج پر تھا۔ ایک فاحشہ عورت اساسیہ فلسفہ اور علمِ خطابت اور اپنے قوتِ بیان میں اس قدر بے عدیل و یکتا تھی کہ اُس کے زمانہ کے بعض فاضل و ماہر لوگ بھی اُس کے لکچر میں حاضر ہوتے تھے جس میں سقراط کا نام بھی شامل ہے۔ ایسی ہی ایک اور عورت تھی جو چینی فلسفہ کی تعلیم میں نہایت مشہور تھی اور علمِ دوست اور نہر پر در لوگوں میں سے تھی اور اپنے زمانہ میں بڑے بڑے مولفین کے زمرہ میں شمار کی جاتی تھی۔ اُس زمانہ کے بڑے بڑے فلسفی اور حکیم اُس آزاد سوسائٹی میں آج کل کے اوباش لوگوں سے کم نہ تھے۔ یہی حالتِ روم کی تعلیم اور سوسائٹی کی بھی تھی لیکن بُرائی بُرائی ہے۔ اور خاص خاص لوگوں میں اُس کا احساس بھی باقی رہتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف یونان کی یہ حالت تھی، اور دوسری طرف ایتھنز کی صاحبِ اولاد عورتوں سے یہ توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ اپنی گھروں میں پردہ نشین ہو کر زندگی گزاریں۔ اور ان کو کھیل تماشوں میں حاضر ہونے کی اجازت نہ تھی۔ وہ مجبور تھیں کہ عام لوگوں کے سامنے نہ ہوں اور راستہ میں اپنے آپ کو چھپا لیا کریں۔ اور جس جگہ جانا ہے وہاں جلد بھونچ جائیں۔ ذرا بھی تاخیر نہ کریں یہ لوگ

اُن کو لکھنا پڑھنا بھی نہیں سکھاتے تھے اور مرد کو عورت پر پورا غلبہ اور قابو حاصل ہوا کرتا تھا۔

یونان کی سوسائٹیوں میں دوشیزہ نوجوان بیٹیوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ اور تربیت کی جاتی تھی کہ وہ عصمت مآبی اور ہنسائی اور اپنی ذات کو قربان کرنے کی زندگی گزاریں۔ اور تعمیروں اور رقص کی مجلسوں اور ناٹکوں میں کوئی ایک بھی نہیں آسکتی تھی۔ اور نیز سڑکوں پر اور بازاروں میں منہ کھولے ہوئے اور نمائشی لباس پہنے ہوئے زنان بازار کے سوا کوئی نہیں آتا تھا۔ اور اُن کو محفلوں اور مجلسوں میں بیٹھنا اور سیاسیات (ملکی معاملات) میں گفتگو کرنا بھی جائز نہ تھا۔ مگر جو امتیاز شریعت مغربہ خواتین کو تھا وہ یہ ہے کہ ان خواتین کو اختیار تھا کہ جب چاہیں قربان گاہوں میں قربانیاں چڑھائیں۔ اور اُن سے جو اولاد ہوتی وہ آزاد ہوتی تھی۔

عورت اور حب الوطنی | تمدن جدید کے برکات میں ملک و قوم کے لیے جو چیز سب سے زیادہ مفید خیال کی جاتی ہے وہ حب الوطنی کے جذبات ہیں اور اس میں شک نہیں کہ مغربی مردوں کی طرح عورتوں میں بھی نہایت قابل عزت جذبات موجود ہیں لیکن مشرقی عورتوں کے متعلق پردہ شکن گروہ کا خیال ہے کہ جب تک ان کو کامل آزادی حاصل نہ ہوگی ان میں یہ مقدس جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسلام کی تاریخ ہمارے سامنے اس کے برعکس صد ہا مثالیں پیش کرتی ہے کہ پردہ دار عورتوں نے ہر زمانہ میں بہ کثرت رفاہ ملک و قوم کے کام کیے ہیں اور ہر قرن کے

کارناموں میں ان کے نام صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہیں ہندوستان میں بھی جبکہ مسلمانوں کا عہدِ سلطنت تھا تو اس میں متعدد مواقع پر شاہی ہیگلیات نے ہی نہیں بلکہ عام عورتوں حتیٰ کہ لڑکیوں تک نے ان جذبات کا اظہار کیا ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں عادل شاہی اور نظام شاہی حکومتوں میں جب ایک مرتبہ جنگ ہوئی تو نظام شاہی حکومت کے ایک حبشی سردار کی بیوی حمید بیگم نے بہ اصرار مقابلہ کی اجازت لی اور عرصہ کارزار میں بحیثیت سپہ سالار لشکر نمودار ہوئی۔

نقاب بر قامت رعنا افگندہ بر اسپ سواری می شد و خنجر و شمشیر مرصع بکمری بست
بعد از انکه تلافی صفین و محاذات فیتن اتفاق افتاد از علو ہمت و علو جرات دلیرانہ باشکر
عادل خانی مصاف داد و سپاہ و سرداران را بقتل حرب و ضرب ترغیب و
تخلیص نموده قدم مردانگی را در ان بحر و غا و تجہ پیا چوں کوہ استوار بر جاداشت
و آل غنیم و دشمن عظیم را شکست فاش وادہ جمیع فیلاں و توپ خانہ را بدست آورد
سالمًا و غنائم را بحت برافروخت۔ (اندوہ)

ایران کی عورتوں نے اپنے طرزِ عمل سے اس خیال کو بالکل غلط ثابت کر دیا ہے ایران میں اب تک مذہبی اثر و اقتدار موجود ہے اور مجتہدین و علما کا حکم فرمانِ شاہی سے زیادہ وقیع اور واجب التعمیل ہے وہاں کی عورتوں میں اگرچہ تعلیم کا آغاز ہو گیا ہے۔ لیکن اب تک وہ ایک مقید و سوسائٹی میں زندگی بسر کرتی ہیں، اور جدید تمدن کے اثرات سے محفوظ ہیں، بایں ہمہ ان میں حسبِ الوطنی کے جذبات موجود ہیں۔ اور وہ ان کے

اظہار میں ایران کے مردوں پر بھی بازی لے گئی ہیں۔

۱۹۱۱ء میں جبکہ روسی مطالبات ایران کی دستوری حکومت کے سامنے ایک اعلان جنگ کی صورت میں پیش تھے اور ایرانی پارلیمنٹ اس کے قبول و انکار کے متعلق متردد تھی تو ایرانی عورتوں نے ہی اس کا فیصلہ کیا، چنانچہ اس واقعہ کو اس زمانہ کے وزیر خزانہ مسٹر شستہ نے اپنی کتاب اسٹریٹنگ آف پرسیا میں درج کیا ہے۔ جس کا ترجمہ فغانِ ایران کے نام سے ہوا ہے۔

یہاں یہ واقعہ اسی ترجمہ سے نقل کیا جاتا ہے۔

جب ہر سمت یہ گرگوشیاں ہونے لگیں کہ مجلس اپنی راسے پر قائم رہے یا روس کے الٹی میٹم کو منظور کر لے اور ہر طرف شکوک و بدگمانی کا تیرہ و تار بار بھگا لیا۔ تو اُس وقت ایران کی عورتوں نے اپنے وطن کی محبت اور اپنے ملک کی حریت کی حفاظت میں وہ آخری حجاب بھی ہٹا دیا۔ جس سے اُن کی جنس کا امتیاز تھا۔ اور ایسی دلیری دکھائی کہ ایران کی تاریخ میں یادگار رہیگی کئی دفعہ یہ افواہ گرم ہوئی کہ اراکین مجلس نے اپنے خفیہ جلیسوں میں اس بات کو طے کر لیا ہے کہ روسی الٹی میٹم منظور کر لیا جائے تمام شہر کے لوگ تشویش سے پریشان تھے اور ہر شخص کو یہی فکر تھی کہ دیکھے کیا ہوتا ہے، ہم نے ان لوگوں کو اپنا دکیل بنا کے پارلیمنٹ میں بھیجا ہے۔ انھیں اپنے فرائض کی ادائیگی پر قائم رکھنے

کے لیے کیا۔ کرنا چاہیے کسی کے ذہن میں کچھ نہ آتا تھا مگر واہ رمی ایران کی عورت تو آخر انھوں نے اس گتھی کو کھجایا، تین سو عورتیں اپنے اپنے محسروں سے نکلیں، ان کے قدم سے استقلال نما ہر تھا وہ سب معمولی لباس سیاہ پہنے تھیں، سفید جالی کا نقاب منہ پر ڈالے تھیں، اکثروں کے ہاتھ میں پستول تھے اور بعض اپنے دامنوں میں دباے تھیں سب کی سب سیدھی پارلیمنٹ کی طرف گئیں اور ہر گھر کر صدر نشین کے پاس کھلا بھیجا کہ اندر آنے کی اجازت دی جائے، معلوم نہیں کہ اس عجیب واقعہ سے سر زمین شیر و غور شید کے مہربان پارلیمنٹ کے دلوں پر کیا اثر ہوا ہوگا۔

صدر نشین صاحب نے آنے کی اجازت دی، وہ سب اندر داخل ہوئیں، اور بڑی دلیری سے صدر نشین صاحب کی سامنا کیا۔ اس خیال سے کہ شاید وہ اور ان کے شرکا، مطلب کو نہ سمجھیں، انھوں نے اپنی نقابیں الٹ دیں اور پستول دکھا کے کہا ہم سب یہ تصفیہ کر کے آئی ہیں کہ اس پارلیمنٹ میں ہمارے شوہر، ہمارے لڑکے، ہمارے بھائی جو اس وقت موجود ہیں ان سب کو ابھی اسی وقت مار ڈالینگے اگر انھوں نے روسی الٹی ٹیم منظور کرنے کا درجہ بھی خیال ظاہر کیا۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ تم لوگ مرد ہو کے اپنا فرض ادا نہیں کرتے اور ملک کی خیریت اور وقعت کو یوں کھونا چاہتے ہو ہم تم سب کو مارنے کے بعد اپنے تئیں بھی بلاک کر ڈالیں گے اور ہماری لاشیں تمہاری

لاشوں کے ساتھ مل جائیگی۔)

اس واقعہ کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ یہ عورتیں کتنی صدیوں سے خانہ نشینی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ انھوں نے نہ کالجوں میں تعلیم پائی اور نہ مغربی خیالات آزادی سے متاثر ہوئیں مگر ایسے نازک موقع پر انھوں نے فردن اولیٰ کی عورتوں کی طرح جسارت کا اظہار کیا۔

عورت کی پوزیشن پردہ میں (مخالفین پردہ کا خیال ہے کہ پردہ عورت کے لیے ایک قسم کی قید، ایک قسم کی غلامی اور ایک قسم کی سخت ذلت آمیز بدگمانی کا نام ہے جس کی وہ کسی طرح مستوجب نہیں لیکن حقیقت ایسا نہیں ہے۔ پردہ میں رکھ کر مردوں نے خود اپنے آپ کو عورتوں کا غلام بنالیا ہے اور ان کے آرام و آسائش کے تمام سامان بہم پہنچانے کے ذمہ دار ہو گئے ہیں مردوں کے احتلاط سے جو بدگمانی دلوں میں پیدا ہو سکتی ہے اسکو پردہ نے بالکل زائل کر دیا ہے اور اس اطمینان کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کو پردہ کے علاوہ قسم کے حقوق اور ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے۔)

یورپ والے ایشیائی عورتوں کے متعلق جب اس قسم کے غلط خیال قائم کرتے ہیں تو ان کی نگاہ سب سے پہلے غیر تعلیم یافتہ ایران پر پڑتی ہے جو تہذیب و تمدن میں اسلامی ممالک سے پیچھے ہے لیکن یہاں کی پردہ نشین عورتوں کی جو پوزیشن ہے اس کا خود ٹیڈن مصنفین نے اعتراف کیا ہے چنانچہ ایک انگریز مصنف اپنی کتاب Customs

and manner's of the women of Persia by James

Atkinson Esqr

کسٹمس اینڈ ٹینرس آف دمی دومین آف پریشیا میں (ایرانی عورت کے رسوم و اطوار) کے دیباچہ اور فٹ نوٹ میں لکھتا ہے۔

اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ انگلینڈ میں مشرقی عورتوں کے متعلق کسی کو اس سے زیادہ علم نہیں ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے ظالم خاوند کی غلام ہیں اور وہ حرم میں جس کو یہ لوگ قید خانہ سے کم نہیں سمجھتے مقید ہیں چند مجبان وطن کی طرح جن کے نزدیک صرف انگلینڈ ہی ایک آزادی اور خوشی کا ملک ہے کیونکہ دوسرے ملکوں کے افعال اور خیالات انگلینڈ جیسے نہیں ہیں ہم لوگ یہ تصور کر لیتے ہیں کہ ایران باہندوستان کی عورتیں نہایت گری ہوئی اور تکلیف کی حالت میں ہیں۔ کیونکہ ان کو وہ حقوق اور آزادیاں حاصل نہیں ہیں جو ہماری عورتوں کو حاصل ہیں جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ جب یورپ والے ایرانی عورتوں کو آزادی اور سوسائٹی میں بلجاظان کے مرتبہ کے بہت گرا ہوا خیال کرتے ہیں تو ایران والے اپنی عورتوں کی آزادی اور حقوق وغیرہ کو یورپ والوں سے کہیں زیادہ خیال کرتے ہیں۔ ہر قوم کو اپنے اختصاصات کی بنا پر فخر و ناز کرنے کا موقع ہوں تو ہر فرد اپنے دوسرے ہمسایہ سے کسی بات میں بھی یکساں نہیں ہونا ہر ایک میں کوئی نہ کوئی

خوبی ایسی ہوتی ہے جس کا موازنہ کسی دوسرے کے ساتھ نامکن ہے۔ بس یہی حالت ایرانی عورتوں کی ہے ان کا مقابلہ کسی غیر ملک سے جس کو اپنی آزادی سوسائٹی کے بے روک حقوق اور بے نقاب رہنے پر فخر ہو کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ان عورتوں کی حمایت عورتیں ہی نہیں کرتیں بلکہ بڑے بڑے مدبر مرد بھی ان کے حامی ہیں۔ ان میں سے ایک مرزا ابوطالب خاں ہیں جو کئی سال گذرے انگلینڈ ٹشریف لائے تھے یہ اپنے تجربہ کی بنا پر مستند رائے کا حق رکھتے ہیں جو باتیں ایران کی خواتین یورپ کی عورتوں سے زیادہ رکھتی ہیں۔ ان کو انہوں نے آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ چھ حصے میں مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

ایشیائی خاوندوں کو اپنی بیبیوں کی ذات پر قانوناً اور رسماً بہت بڑا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ یورپ کی عورتیں باوجودیکہ باہر بھرتی ہیں، غیروں سے بات چیت کرتی ہیں لیکن رات کو گھر سے باہر رہنے کی ان کو سخت ممانعت ہے۔ برخلاف اس کے ایشیائی عورتیں اپنی ملنے والی عورتوں کے یہاں جن کو ان کے خاوند نہیں جانتے جاسکتی ہیں اور صرف ایک دو رات نہیں بلکہ ہفتہ بھر بغیر اپنے خاوند یا باپ کے کسی آدمی کے ساتھ ہوئے رہ سکتی ہیں۔ اُس مکان میں جس میں عورتیں مہمان ہوتی ہیں خود مالک مکان داخل نہیں ہو سکتا۔ البتہ پندرہ برس سے کم عمر کے بچے جو اس گھر سے تعلق رکھتے ہوں اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانوں اور کھیل تماشوں میں شریک ہوتے ہیں۔

سر جان مالکم کہتے ہیں کہ۔

«طلاق ایرانیوں میں کبھی بد چلنی کی وجہ سے نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو عورت سخت سزا کی مستوجب ہوتی ہے۔ عموماً خاوند کی بد مزاجی یا فضول خرچی یا بیوی کی طرف سے بے پروائی یا اُس کے ساتھ براہِ تباہی و طلاق کی وجہ ہو ا کرتی ہے۔

اسی طرح ہر ملک کے مسلمانوں میں عورتوں کا درجہ ہے اور اگر اس کے خلاف کہیں ہے تو وہ بہت ہی کم اور بالکل ایک استثنائی مثال کے طریقہ پر ہے اور محض جہالت اور مذہبی احکام سے بے پروائی کا نتیجہ بلکہ تمام شرعاً ایسی مثالوں کو نفرت و حقارت سے دیکھتے ہیں اور ایسے شخص کی کوئی عزت نہیں کی جاتی جو اپنے اہل اور خاندانی عورتوں کے لیے اچھا نہ ہو۔ ایسی حالت پر بھی شریف عورتیں صبر کا زبردست اور حیرت انگیز نمونہ پیش کرتی ہیں اور حیا و عفت کے ساتھ اپنی تمام عمر گزار دیتی ہیں۔

نہایت مابعد شادی پر وہ شکن گردہ کا یہ بھی خیال ہے کہ پردہ نشینی کی شادیاں حقیقی محبت پیدا نہیں کرتیں کیونکہ شادی سے قبل ایک کو دوسرے کے مزاج اور عادات و خصائل سے واقفیت نہیں ہوتی۔ اور پھر تمام عمر اختلاف مزاج کی مصیبتوں میں بسر ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جہاں اس کے خلاف عمل ہوتا ہے اور

لے صفحہ فٹ نوٹ۔

جہاں ہر ایک شادی کامل محبت اور کورٹ شپ کے بعد ہوتی ہے وہاں کیونکر زندگی گزاری جاتی ہے ہمارے نزدیک اس کا معیار زن و شوہر کے اقتراق اور طلاق پر ہے۔ اس کی نسبت امریکہ کا ایک زبردست مضمون نگار مسٹر لوسن رسالہ ریویو آف ریولوزیوں میں لکھتا ہے۔

وہاں طلاق اور شادی کی نسبت ۳۰ اور ۱۰۰ کی ہے لیکن اس کا اوسط ان ممالک میں جہاں پردہ ہوتا ہے بہت کم ہے بس وہاں وہ نسبت ہے جو

۱۰۰ سے ہے۔

اس نے ایک نقشہ شادی و طلاق کے ان اعداد و شمار کا بھی شائع کیا تھا۔ جو چند سالوں میں امریکہ میں واقع ہوئے تھے ان کی حدود جدول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ۲۴ سال پہلے امریکہ کے مختلف شہروں میں فی ۸۰ و ۱۰۰ اور ۱۲ و ۱۳ اور ۲۱ شادیوں میں ایک کا اوسط رہا۔

اس جدول کے بعد وہ لکھتا ہے کہ ۸۰ فیصدی درخواستیں عورت کی جانب سے پیش ہوتی ہیں۔ اور بہت سے شوہروں کو اپنی بیویوں کے مطلقہ ہونے کی اس وقت خبر ملتی ہے جبکہ وہ دوسرے مرد سے شادی کر چکی ہوتی ہیں ایک جگہ لکھتا ہے۔ اب طلاق کا رواج حد سے بڑھ گیا ہے اور جو امر سخت خوفناک ہے وہ یہ ہے کہ

لے ماخوذ از ام الذیاض صفحہ ۶۔ Review of Reviews.

لے اقتباس از مرآۃ المسلمہ صفحہ ۵۸ اور ۵۹۔

۱۰۔ فی صدی درخو استیں عورت کی جانب سے پیش ہوتی ہیں۔ اور اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو فسخ نکاح کا بہت کم خیال گذرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی عورت کو طلاق دینے سے بے حد شرمندہ ہوتا ہے اور اس لیے جس وقت مرد اپنی بیوی کے ہاتھوں تنگ آجاتا ہے تو پہلے وہ کسی دوسری عورت کی تلاش کرتا ہے۔ اور جب تک دوسری مطلوبہ اس سے شادی کرنے پر رضامندی نہ ظاہر کرے وہ ہرگز پہلی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کی کوشش نہیں کرتا،

اُس سے زیادہ افسوس ناک حالت ان مقدمات میں نظر آتی ہے جو عموماً زن و شوہر کے مابین دائر ہوتے رہتے ہیں مگر یہ تو ان عورتوں کی حالت ہے جو طلاق حاصل کر لیتی ہیں۔ اُن سے زیادہ خراب زندگی اُن عورتوں کی ہوتی ہے جو طلاق اور نکاح کے مابین حالت میں جس کا نام قانونی علیحدگی ہے بسر کرتی ہیں

ایک با اثر وفد جس کے سرغنہ لارڈ سیدنم تھے ہوم سکریٹری صاحب کی خدمت میں چند روز قبل حاضر ہوا تھا اُس نے کئی نیا واقع معاشرتی سوال پیش کیا جس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو سکتا انگلینڈ اور ویلز کے موجودہ قوانین شادی کے بموجب شادی شدہ مرد و عورت کے لیے قانونی علیحدگی حاصل کرنی نہایت آسان ہے۔ اور اس کے لیے قانونی کارروائیوں میں زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ برعکس اس کے طلاق کا حاصل کرنا بہت مشکل ہے اور اس کی ضروری قانونی کارروائیوں میں اتنا روپیہ خرچ

ہوتا ہے کہ اس کا برداشت کرنا بیشتر حصہ آبادی کی استطاعت سے باہر ہے
 اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے شادی شدہ مرد و عورت جن کے پاس
 طلاق کے کافی وجوہ موجود ہیں محض قانونی علیحدگی پر اکتفا کرنے پر مجبور ہیں۔
 لارڈسیدنہم کے بیان کے بموجب اس وقت اس طرح کی علیحدگی حاصل کئے ہوئے
 نفوس کی تعداد انگلینڈ اور ویلز میں دس لاکھ سے زائد ہے۔ اور اس میں روز بروز
 اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کے نتائج ہر نقطہ خیال سے نہایت افسوس ناک ہیں۔ اگر
 بچہ عورت کے ساتھ رہے تو یا تو وہ اپنے اور بچوں کے لیے حصولِ معاش کی فکر میں
 سرگرداں ہوتی ہے یا کسی دوسرے شخص سے ناجائز تعلقات پر مجبور ہوتی ہے۔
 برعکس اس کے اگر لڑکوں کو باپ نے لے لیا تو وہ عملاً اس پر مجبور ہوتا ہے کہ ایک
 دوسری غیر شادی شدہ بیوی اپنے ساتھ رکھے کیونکہ غربا میں گھر کا کاروبار کرنے کے
 لیے ماں رکھنے کی نہ تو استطاعت ہے اور نہ خانگی انتظامات اس سے نبھ سکے ہیں
 بقول دفعہ قانون، طلاق میں مشکلات پیدا کر کے ناجائز تعلقات کو مسلسل بڑھا
 رہا ہے۔ جس کے معاشرتی نقائص خصوصاً عورتوں اور بچوں کے لیے نہایت ہی
 اہم ہیں۔ یہ بات صاف صاف کہہ دینی ضرور ہے کہ ان قانونی بدعنوانیوں کی
 ذمہ داری انگلستانی گرجا کے ان پادریوں پر ہے۔ جنہوں نے ہمیشہ اور ہر حالت
 میں طلاق کی مخالفت کی ہے۔“

(ترجمہ ڈبلیو گرینک از مہمدم ۱۸۷۷ء)

خاتمہ

اخلاقی بُرائیاں جس قدر ترقی کرتی جاتی ہیں، اُسی قدر اُن کے نقصانات نمایاں ہوتے جاتے ہیں، اسلام نے ابتدا میں جن بُرائیوں سے روکا تھا تمدن کی وسعت اُن کو روز بروز بڑھا رہی ہے اس لیے ان کے نقصانات کے انسداد کی طرف قوم کا برگزیدہ گروہ پہلے سے زیادہ متوجہ ہے، اسلام نے شراب خواری کی ممانعت اُس وقت کی تھی جب اُس کے نقصانات نسبتاً کم ظاہر ہوتے تھے لیکن اب جبکہ ان نقصانات کا ظہور شدت کے ساتھ ہو رہا ہے، اطباء و اطہر، مصلحین، ریفارمر، مدبران سیاست بھی انسداد شراب خواری کی کوشش کر رہے ہیں ایسی حالت میں اگر لوگ اس اُمّ النجاست سے اجتناب نہ کریں تو ان کے لیے بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے، ختمہ اللہ علی قلوبہم الخ۔

اسلام نے پردے کا حکم بھی جن خرابیوں کی انسداد کے لیے دیا تھا، اب شراب خواری کے نقصانات کی طرح وہ بھی شدت کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہیں، اس لیے قوم کا برگزیدہ گروہ اُن کی انسداد کی طرف مائل ہے اس طور پر تمدن ممالک کی بہترین رائیں گویا پردے کی حمایت کر رہی ہیں ان رایوں کا خلاصہ، اور قرآن مجید کی تعلیمات کا لب لباب اور پگند چمکا ہے، لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ

جو لوگ پردے کی مخالفت کر رہے ہیں، وہ بالکل اُٹے پاؤں چل رہے ہیں، قرآن مجید کی تعلیم جو خاص طور پر مسلمانوں کو دی گئی تھی، اس سے دوسری قومیں فائدہ اٹھا رہی ہیں، اور یہ ہیں کہ اُس سے اعراض کر رہے ہیں، قرآن مجید نے مسلمانوں کو قوموں کی تاریخ اور قوموں کے حالات سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کا جو حکم دیا تھا اس سے یہ بالکل غافل ہیں، بلکہ اب خود اُن کی حالت عبرت و بصیرت حاصل کرنے کے قابل ہو گئی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو یورپ کی سطحی تقلید کے اثر سے ان خرابیوں سے بے پروا ہیں تاہم ان کے دلیس تنبیہ آمیز احساس ضرور موجود ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اُن کو بیدار کرے تو وہ جاگ سکتے ہیں۔ اس کتاب سے اسی قسم کے لوگوں کا بیدار کرنا مقصود ہے اگر یہ ناپسند تصنیف اس مقصد میں کامیاب ہو گئی تو میں اس کو اپنی کوششوں کا بہترین معاوضہ سمجھوں گا مگر مجھے اس تصنیف سے زیادہ اپنی مخلصانہ نیت پر اعتماد ہے، اس لیے میں نہایت خلوص کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتی ہوں کہ وہ اپنے بندے اور بندہ یوں کو اپنی پاک تعلیمات پر عمل کرنے کی ہدایت دے۔ وَهَذَا آخِرُ دَعْوَانَا وَغَايَةُ مَا مَوْلَانَا۔

یہ سب

دعا کرتی ہوں کہ وہ اپنے بندے اور بندہ یوں کو اپنی پاک تعلیمات پر عمل کرنے کی ہدایت دے۔

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
 لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

۱۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب
 ۲۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب
 ۳۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب
 ۴۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب
 ۵۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب
 ۶۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب
 ۷۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب
 ۸۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب
 ۹۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب
 ۱۰۔ در اکبر علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب و علی بن ابی طالب

